TAMEER-E-HAYAT
ISSN 2582-4619 · VOL 59 · ISSUE 24 · 25 OCTOBER 2022

تعمیرِ حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

دین و دنیا کی وحدت کا تصور

نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک عظیم، ناقابل فراموش احسان اور گراں قدر تحفہ دین و دنیا کی وحدت کا تصور اور یہ انقلاب انگیز تلقین ہے کہ یہ کوئی حقیقی اختلاف نہیں، محض اصطلاح کا اختلاف ہے، اور قدیم درسی زبان میں 'نزاع لفظی' ہے، انسان کے اعمال و اخلاق اور ان سے پیدا ہونے والے نتائج کا اصل انحصار، انسان کی ذہنیت، کیفیت عمل کے محرکات اور اس کے مقصد پر ہے، جس کو اسلام کے دین و شریعت کی زبان میں 'نیت' کے ایک مفرد و سادہ لیکن نہایت بلیغ و عمیق لفظ میں ادا کیا گیا ہے، اس کے نزدیک نہ کوئی چیز 'دنیا' ہے اور نہ کوئی چیز 'دین'، اس کے نزدیک خدا کے رضا کی طلب، اخلاص اور اس کے حکم کی تعمیل کے جذبہ و ارادہ سے بڑے سے بڑا دنیاوی عمل یہاں تک کہ حکومت، جنگ، دنیاوی نعمتوں سے تمتع نفس کے تقاضوں کی تکمیل، حصول معاش کی جدو جہد، جائز تفریح طبع کا سامان، ازدواجی و عائلی زندگی، سب اعلیٰ درجہ کی عبادت، تقرب الی اللہ کا ذریعہ، اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب ولایت تک پہونچے کا وسیلہ اور خالص دین بن جاتی ہے، اس کے برخلاف بڑی سے بڑی عبادت اور دینی کام جو رضاء الٰہی کے مقصد اور اطاعت کے جذبہ سے خالی ہو (حتیٰ کہ فرض عبادتیں، ہجرت و جہاد، قربانی و سرفروشی اور ذکر و تسبیح) خالص دنیا اور ایسا عمل شمار ہوگا جس پر کوئی ثواب اور اجر نہیں ہے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

سالانہ زرتعاون ₹400

۲۵/ اکتوبر ۲۰۲۲ء

فی شمارہ ₹20

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرہ روزہ تعمیرِ حیات لکھنؤ

ISSN 2582-4619

جلد نمبر ۵۹ | ۲۵ / اکتوبر ۲۰۲۲ء مطابق ۲۸ / ربیع الاول ۱۴۴۴ھ | شمارہ نمبر ۲۴

اس شمارے میں

شعروادب		
مدینہ یاد آتا ہے تو پھر آنسو نہیں رکتے	ماہر القادری مرحوم	۴
اداریہ		
جو رہی خودی تو شاہی، نہ رہی تو.....	شمس الحق ندوی	۵
پیام سیرت		
تعلق مع اللہ اور خلقِ خدا سے سلوک	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	۷
سخن دلپذیر		
معاشرہ کی کمزوریاں اور ان کا علاج	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۱۱
فکر ونظر		
معاشرہ کی اصلاح میں ہل و.....	مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	۱۶
حالات حاضرہ		
ناخوشگوار حالات میں ہماری ذمہ داری	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۱۹
یادِ رفتگاں		
علامہ یوسف القرضاوی کی رحلت	مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی	۲۱
راہِ عمل		
بشریت کی نجات کے لیے نسخۂ کامل	مولانا محمد طارق نعمان	۲۲
تحریک ندوہ		
ندوۃ العلماء اور انگریزی زبان	ڈاکٹر عبید الرحمٰن ندوی	۲۴
رسید کتب		
تعارف وتبصرہ	محمد اصطفاء الحسن ندوی	۲۷
ذکرِ خیر		
مولانا حفظ الرحمٰن ندوی علیہ الرحمہ	یوشع حمید ندوی	۲۹
فقہ وفتاوی		
سوال وجواب	مفتی محمد ظفر عالم ندوی	۳۳

سرپرست

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر مسئول

شمس الحق ندوی

معاون مدیر

محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی ❀ محمد جاوید اختر ندوی

مجلس مشاورت

مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی ❀ مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی

قارئین محترم! تعمیرِ حیات کا سالانہ زرتعاون ذیل میں دیے گئے اکاؤنٹ میں جمع کرائیں!

TAMEER E HAYAT

A/c. No. 10863759868 (Current A/c.)

IFSC Code : SBIN0000125 -- Swift Code : SBINNB157

State Bank of India, Main Branch, Lucknow

براہ کرم رقم جمع ہوجانے کے بعد دفتر کے فون نمبر یا ایم میل پر خریداری نمبر کے ساتھ اطلاع ضرور دیدیں۔

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

TAMEER-E-HAYAT

Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow - 226007, Ph.:0522-2740406

website : http://tameerehayat.com - email : tameer1963@gmail.com

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

سالانہ زرتعاون -/400	فی شمارہ -/20	ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک کے لئے 75$

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں۔ چیک سے بھیجی جانے والی رقم صرف All CBS Payable Multicity Cheques روانہ فرمائیں، بصورت دیگر =/30₹ جوڑ کر چیک دیں۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

آپ کی خریداری نمبر کے نیچے اگر سرخ لکیر ہے تو سمجھیں کہ آپ کا زرتعاون ختم ہو چکا ہے، لہٰذا جلد ہی زرتعاون ارسال کریں۔ اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں۔ (منیجر تعمیر حیات)

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

شعر وادب

مدینہ یاد آتا ہے تو پھر آنسو نہیں رکتے

ماہرالقادری مرحوم

رسول مجتبیٰ ﷺ کہیے، محمد مصطفیٰ ﷺ کہیے
خدا کے بعد بس وہ ہیں، پھر اس کے بعد کیا کہیے

شریعت کا ہے یہ اصرار، ختم الانبیاء کہیے
محبت کا تقاضا ہے کہ محبوبِ خدا ﷺ کہیے

جب ان کا ذکر ہو، دنیا سراپا گوش ہو جائے
جب ان کا نام آئے، مرحبا صلِّ علیٰ کہیے

مرے سرکار ﷺ کے نقشِ قدم شمعِ ہدایت ہیں
یہ وہ منزل ہے جس کو مغفرت کا راستہ کہیے

محمد ﷺ کی نبوت دائرہ ہے نورِ وحدت کا
اسی کو ابتدا کہیے، اسی کو انتہا کہیے

غبارِ راہِ طیبہ سرمۂ چشمِ بصیرت ہے
یہی وہ خاک ہے جس خاک کو خاکِ شفا کہیے

مدینہ یاد آتا ہے تو پھر آنسو نہیں رکتے
مری آنکھوں کو ماہرؔ، چشمۂ آبِ بقا کہیے

☆☆☆☆☆

اداریہ

جو رہی خودی تو شاہی، نہ رہی تو روسیاہی

شمس الحق ندوی

ہم مسلمان ماہ ربیع الاول کی مناسبت سے یوم میلا دالنبیؐ کے جلسوں میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ، زہدوتقویٰ، ایثاروقربانی، جودوسخا، یتیموں، بیواؤں اور عام فقراء ومساکین کے ساتھ اچھے برتاؤ کی تعلیمات، آپؐ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کی عملی مثالوں کے حیرت انگیز واقعات سنتے ہیں، اوران پر فخر بھی کرتے ہیں کہ یہ ہیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اوران کی عملی مثالیں۔

نعتیہ مشاعروں میں کس محبت وفدائیت کا مظاہرہ کرتے ہیں، یہاں تک کہہ جاتے ہیں کہ:

اگر یہ زندگی سو بار جا جا کر پلٹ آئے
تو میں صدقہ کروں تم پر کبھی دل کو کبھی جاں کو

لیکن جب ہم اپنی عملی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو افسوس ناک صورت حال نظر آتی ہے، ذرا ہم سنجیدگی سے غور کریں اور دیکھیں کہ نماز جیسا اہم رکن جس کے چھوڑنے پر بہت سخت وعیدیں آئی ہیں، ہم میں کتنے فیصد نمازی پائے جاتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز چھوڑنا تو بڑی بات ہے، جماعت چھوڑنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ: ''میرا جی چاہتا ہے کہ کسی کو امام بنادوں، اور جماعت ترک کرنے والوں کے گھروں پر جا کران کے گھروں میں آگ لگادوں''۔

قرآن مجید تو صاف صاف اعلان کرتا ہے کہ نماز تو بے حیائی کی باتوں اور تمام قسم کے ناپسندیدہ کاموں سے روکتی ہے: ''اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡھٰی عَنِ الۡفَحۡشَاءِ وَالۡمُنۡکَرِ'' (عنکبوت: ۴۵) نماز باجماعت کے فضائل تو بہت ہیں، اس کا جو ظاہری منظر ہوتا ہے اور اس سے جس مساوات کا مظاہرہ ہوتا ہے:

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

وہ دلوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے، بہت سے لوگ تو نماز کے اس منظر کو دیکھ کر ہی ایمان لائے، مالک وخالق کائنات کو اپنا رب اور معبود ماننے کا اور اس کے سامنے سر جھکانے کا وہ منظر ہوتا ہے جو رات دن میں پانچ مرتبہ پیش کیا جاتا ہے، ہم مسلمان، اپنے بے نمازیوں کو نمازی بنانے کی فکر و کوششیں کریں تو ہماری بستیوں میں وہ خیر و برکت اور انوار نظر آئیں جو اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور احکام شریعت پر عمل کرنے کو آسان بنادیں، ہمارے اندر اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک اور اچھے برتاؤ کی وہ فضا قائم ہو، جو جھوٹ، فریب اور بدمعاملگی کے ماحول کو ختم کرے، جب پڑوسی کے ساتھ یہ معاملہ ہو اور ایسا ماحول بنے تو صلہ رحمی اور اقربا نوازی، والدین کے حقوق، بھائی بہنوں کے حقوق کا ایسا دور دورہ ہو کہ ایک دوسرے سے محبت وحسن اخلاق کا وہ منظر سامنے آنے لگے جس کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بعثت لأتمم مكارم الأخلاق'' کہ مجھے اس لیے مبعوث فرمایا گیا ہے کہ اچھے اخلاق کے تمام پہلوؤں کو مکمل کروں، خود مالک حقیقی نے فرمایا: ''اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ'' [سورہ قلم: ۴] (اور اخلاق تمہارے بہت عالی ہیں)، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کتاب نازل ہوئی اور جن تعلیمات ربانی کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عملی مثال تھے حتی کہ جب ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ''كان خلقه القرآن''. (آپؐ کے اخلاق قرآن کریم کی عملی مثال تھے)۔

اب ہم سوچیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم امتیوں کی کن باتوں سے خوش ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کرنے سے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک طریقہ اور چلن کو اپنانے سے، مالک حقیقی کی مرضیات پر اپنے آپ کو ڈال دینے سے؟ یا رسوم ورواج، ریاکاری ونمائش سے، دوسروں کی حق تلفی اور دل دکھانے سے؟ اس وقت ہم مسلمانوں کا عام حال کیا ہو رہا ہے، کیا ہم میں سے اکثریت کی زندگی اس طرح نہیں گزر رہی ہے کہ اسلام بدنام ہو اور یہ صورت حال دوسروں کے لیے اسلام کو پسند کرنے اور قبول کرنے میں رکاوٹ بن رہی ہے؟! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور عملی زندگی اس امت کا سرمایۂ حیات

آپؐ فرمایا کرتے تھے: "مالی وللدنیا وما انا والدنیا الّا کراکب استظل تحت شجرۃ ثم راح وترکھا" (مجھے دنیا سے کیا سروکار، میرا دنیا سے واسطہ اتنا ہی ہے جیسے کوئی مسافر راہ میں تھوڑی دیر کے لیے کسی درخت کے سایہ میں دم لے لے پھر اپنی راہ لے اور اس کو چھوڑ کر چل دے)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپؐ کو ایک مرتبہ چٹائی پر اس حالت میں لیٹے ہوئے دیکھا کہ آپؐ کے پہلو میں اس کے نشانات پڑ گئے تھے، یہ منظر دیکھ کر ان کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں، آپؐ نے دریافت فرمایا: "کیا بات ہے؟" انھوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! آپ اللہ کی مخلوق میں سب سے برگزیدہ ہیں، اور عیش کسریٰ اور قیصر کر رہے ہیں، یہ سن کر آپؐ کا چہرہ سرخ ہوگیا، اور آپؐ نے فرمایا "ابن الخطاب! کیا تمہیں کچھ شک ہے" پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا "یہ وہ لوگ ہیں جن کو دنیا کی زندگی کے سارے مزے یہیں دیدیے گئے ہیں"۔

آپؐ وہ طرز معیشت یا وہ معیار زندگی نہ صرف اپنے لیے ناپسند فرماتے تھے بلکہ اپنے اہل بیت کے لیے بھی اس کے روادار نہ تھے، چنانچہ آپؐ کی دعا تھی: "اللّٰھم اجعل رزق آل محمد قوتاً" (اے اللہ! آل محمد کا رزق بقدر ضرورت ہو)، حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں: "قسم اس کی جس کے قبضے میں ابوہریرہ کی جان ہے، اللہ کے نبی اور ان کے اہل بیت کبھی متواتر تین دن گیہوں کی روٹی پیٹ بھر کر نہ کھا سکے، یہاں تک کہ اس دنیا سے پردہ فرمالیا"۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں: "ہم اہل بیت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک چاند گزر کر دوسرا چاند نظر آجاتا اور ہمارے گھر میں چولہا نہ جلتا، صرف کھجور اور پانی پر ہماری گذر بسر ہوتی تھی"۔

آپؐ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی، اور آپؐ کے پاس اتنا نہ تھا کہ آپؐ اس کو چھڑا سکتے، یہاں تک کہ اسی حال میں آپ کی وفات ہوگئی۔

آپؐ حجۃ الوداع اس حال میں کیا کہ حد نگاہ تک مسلمان نظر آرہے تھے، پورا جزیرۃ العرب آپؐ کے زیر نگیں تھا، اور کیفیت یہ تھی کہ آپؐ ایک نہایت خستہ حال کجاوہ پر تھے، آپؐ پر صرف ایک چادر پڑی ہوئی تھی، جس کی مالیت چار درہم سے زیادہ نہ تھی، اس وقت آپؐ نے فرمایا: "اے اللہ! اس کو ایسا حج بنا جس میں کوئی ریا اور شہرت طلبی نہ ہو"۔

حضرت ابوذرؓ سے آپؐ نے ایک موقع پر فرمایا: "مجھے یہ گوارا نہیں کہ میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو، اور تین دن گذر جائیں اور اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس باقی رہے، سوائے اس کے کہ کسی دینی کام کے لیے میں اس میں سے کچھ بچا رکھوں، ورنہ اللہ کے بندوں میں میں اس کو اس طرح اور اس طرح دائیں بائیں اور پیچھے لٹادوں"۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کا سوال کیا گیا ہو اور آپؐ نے اس کے جواب میں نہیں کہا ہو"، ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیاضی اور داد ودہش میں تیز ہوا سے زیادہ تیز رفتار تھے"۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ: "ایک شخص نے آپؐ سے کچھ سوال کیا تو آپؐ نے اس کو بکریوں، بھیڑوں کا پورا گلہ عطا فرمایا جو دو پہاڑوں کے درمیان تھا، وہ یہ سب بکریاں لے کر اپنی قوم میں واپس آگیا اور کہنے لگا لوگو! اسلام لے آؤ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس طرح دے دلا رہے ہیں کہ جیسے ان کو فقر وفاقہ کا ڈر ہی نہ ہو، ایک مرتبہ آپؐ کی خدمت میں نوے ہزار درہم پیش کیے گئے، یہ رقم ایک چٹائی پر ڈالدی گئی، اور آپؐ نے کھڑے ہوکر اس کو تقسیم کرنا شروع کیا، اور کسی سائل کو بھی آپؐ نے واپس نہ فرمایا، یہاں تک کہ سارا ڈھیر ختم ہوگیا"۔

لیکن اس ذوق عبادت، دنیا اور سامان دنیا سے بے تعلقی، کمال زہد، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کامل، اور اس کے حضور آہ وزاری اور دعا ومناجات سے آپؐ کی خندہ جبینی، حسن اخلاق، شفقت و ملاطفت دلداری ودلنوازی اور ہر شخص کو اس کا جائز حق دینے اور اس کے مرتبہ وحیثیت کے مطابق سلوک کرنے میں کوئی فرق نہ آتا تھا، اور یہ دونوں باتیں ایسی ہیں کہ ان کو اس طرح جمع کرنا کسی دوسرے شخص کے لیے ناممکن ہے، آپؐ فرماتے تھے: "لو تعلمون ما أعلم لضحکتم قلیلاً ولبکیتم کثیراً" (جو میں جانتا ہوں وہ اگر تم جان لیتے تو بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے)۔

آپؐ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ فراخ دل، نرم طبیعت اور خاندانی لحاظ سے سب سے زیادہ محترم تھے، اپنے اصحاب کرامؓ سے الگ تھلگ نہ رہتے تھے، بلکہ ان سے پورا میل جول رکھتے تھے، ان سے باتیں کرتے، ان کے بچوں کے ساتھ خوش طبعی وخوش مذاقی کے ساتھ پیش آتے، ان بچوں کو اپنی گود میں بٹھاتے، غلام اور آزاد، باندی، مسکین اور فقیر سب کی دعوت قبول فرماتے، بیماروں کی عیادت فرماتے، خواہ وہ شہر کے آخری سرے پر ہوں، عذر خواہ کا عذر قبول فرماتے، آپؐ کو کبھی صحابۂ کرامؓ کی مجلس میں پیر پھیلائے ہوئے نہیں دیکھا گیا تاکہ اس کی وجہ سے کسی کو تنگی ودشواری نہ ہو۔

عبداللہ بن الحارثؓ روایت کرتے ہیں کہ: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خندہ رو اور متبسم کسی کو نہیں دیکھا"، جابر بن سمرہؓ راوی ہیں کہ: "مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں سو بار سے زیادہ بیٹھنے کا اتفاق ہوا، میں نے دیکھا

کہ آپؐ کے اصحاب کرامؓ ایک دوسرے سے اشعار سن رہے ہیں، اور سنا رہے ہیں، اور جاہلیت کی بعض باتوں اور واقعات کا تذکرہ بھی کر رہے ہیں، اور آپ ساکت ہیں، یا کبھی کوئی ہنسی کی بات ہوتی تو ان کے ساتھ آپ بھی تبسم فرماتے ہیں''۔

شرید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے امیۃ بن صلت کے اشعار سننے کی فرمائش کی، چنانچہ میں نے آپؐ کو اس کے اشعار سنائے''۔

آپؐ نہایت درجہ نرم دل، محبت کرنے والے اور لطف وعنایت کے پیکر تھے، انسانی جذبات اور لطیف احساسات آپؐ کی سیرت میں بہترین اور حسین ترین شکل میں جلوہ گر تھے، انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے، میرے دونوں بیٹوں (حسن وحسین رضی اللہ عنہما) کو بلاؤ وہ دوڑے ہوئے آتے تو آپؐ ان دونوں سے منہ ملاتے اور ان کو اپنے سینہ سے لگا لیتے''۔ ''آپؐ نے ایک مرتبہ اپنے نواسہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور دوڑتے ہوئے آئے، اور آپؐ کی گود میں گر پڑے، پھر آپؐ کی ریش مبارک میں اپنی انگلیاں ڈالنے لگے، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دہن مبارک کھولدیا، اور وہ اپنا منہ آپؐ کے دہن مبارک میں ڈالنے لگے''۔

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ: ''زید بن حارثہؓ (جو آپؐ کے غلام تھے) مدینہ آئے تو اس وقت آپؐ گھر پر تشریف فرما تھے، وہ گھر پر آئے اور دروازہ پر دستک دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے، آپؐ اس وقت پورے کپڑوں میں ملبوس نہ تھے، چادر جسم مبارک سے گری جارہی تھی، ان کو دیکھ کر آپؐ نے معانقہ فرمایا اور بوسہ لیا''۔

اُسامہ بن زیدؓ بیان کرتے ہیں کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صاحبزادی نے آپؐ کو یہ پیغام کہلوایا کہ میرے بچہ کا دم واپسیں ہے، آپ اس وقت یہاں تشریف لے آئیں، آپؐ نے ان کو سلام کہلوایا اور فرمایا کہ اللہ ہی کے لیے ہے، جو اس نے لیا، اور اسی کے لیے ہے، جو اس نے عطا کیا، ہر چیز اس کے یہاں نامزد اور مقرر ہے، پس چاہیے کہ صبر سے کام لیں، اور اجر وثواب کی نیت اور امید رکھیں، انھوں نے آپؐ کو قسم دلائی کہ آپؐ ضرور تشریف لائیں، آپؐ کھڑے ہوئے اور ہم سب آپؐ کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے، جب آپؐ وہاں بیٹھے تو بچہ گود میں آپؐ کے پاس لایا گیا، آپؐ نے اس کو اپنے آغوش مبارک میں لے لیا، اس وقت اس کی سانس اکھڑ چکی تھی یہ منظر دیکھ کر آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، سعدؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ یہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ یہ رحم ہے، جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے دل میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے، اور بے شک اللہ تعالیٰ اپنے رحم دل بندوں ہی پر رحم فرماتا ہے''۔

جب بدر کے قیدیوں کے ساتھ حضرت عباسؓ کی مشکیں کسیں گئیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کراہ سنی تو آپؐ کو نیند نہیں آئی، جب انصار کو یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے ان کی مشکیں کھول دیں، انصار کی یہ رحم دلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات پر آمادہ نہ کرسکی کہ حضرت عباسؓ اور دیگر قیدیوں میں فرق رکھا جائے، انصار نے یہ دیکھ کہ حضرت عباسؓ کی مشکیں کھولنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے تھے، یہ خواہش کی کہ ان کا فدیہ بھی چھوڑ دیا جائے، ان کا مقصد یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور زیادہ خوش ہوں، لیکن آپؐ نے اس بات کو قبول نہ فرمایا۔

ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ: ''کیا آپؐ لوگ اپنے بچوں کو پیار کرتے ہیں، ہم تو ان کو پیار نہیں کرتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل سے رحم نکال لیا ہو تو میں تمہارے لیے کیا کرسکتا ہوں''۔

آپؐ بچوں پر بہت شفیق تھے، اور ان سے بہت نرمی اور محبت کا معاملہ فرماتے تھے، حضرت انسؓ راوی ہیں کہ: ''آپؐ کا گزر کچھ بچوں پر ہوا، جو کھیل رہے تھے، آپؐ نے ان کو سلام کیا''۔ انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں گھلے ملے رہتے تھے، میرے ایک چھوٹے بھائی سے آپؐ فرماتے ابوعمیر! نغیر کیا ہوا''۔

مسلمانوں پر آپؐ بے حد شفیق اور مہربان تھے، اور ان کے احوال کی بہت رعایت فرماتے تھے، انسانی طبائع میں اُکتاہٹ اور وقتی طور پر پست ہمتی یا تعطل پیدا ہوتا رہتا ہے، اس کا برابر لحاظ رکھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو جو وعظ ونصیحت فرماتے تھے، وہ وقفوں کے ساتھ ہوتی تھی، اس خیال سے کہ کہیں ہمارے اندر اکتاہٹ نہ پیدا ہونے لگے، نماز سے اس قدر تعلق اور شیفتگی کے باوجود آپؐ اگر کسی بچہ کا رونا سن لیتے تو نماز مختصر فرمادیتے، آپؐ نے خود یہ ارشاد فرمایا کہ میں نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ طویل نماز پڑھوں کہ کسی بچہ کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اس خیال سے نماز مختصر کردیتا ہوں کہ اس کی ماں کو دشواری اور تکلیف نہ ہو''۔

عبداللہ بن مسعودؓ راوی ہیں کہ: ''ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! خدا کی قسم میں (اپنے محلّہ کی) صبح کی نماز میں محض اس لیے نہیں پہونچتا کہ فلاں

صاحب بہت طویل نماز پڑھاتے ہیں، اس کے بعد جو وعظ آپؐ نے فرمایا اس سے زیادہ غصہ کی حالت میں میں نے کسی اور وعظ میں آپؐ کو نہیں دیکھا، آپؐ نے فرمایا: ''تم میں وہ لوگ ہیں، جو لوگوں کو متنفر کرتے ہیں، تم میں سے جو نماز پڑھائے اس کو چاہیے کہ مختصر پڑھے، اس لیے کہ نمازیوں میں کمزور بھی ہوتے ہیں، بوڑھے اور ضرورت والے بھی''۔

اسی سلسلہ میں یہ واقعہ بھی آسکتا ہے کہ انجشہ جو عورتوں کے قافلہ کے حدی خواں تھے، بہت خوش آواز شخص تھے، ان کی خوش آوازی کی وجہ سے اونٹ بہت تیز رفتاری کے ساتھ بڑھنے لگتے تھے، عورتوں کو اس سے زحمت ہوتی تھی، یہ دیکھ کر آپؐ نے انجشہ سے فرمایا: ''انجشہ، ذرا آہستہ! اس تیز رفتاری سے آبگینوں (کمزور ونازک ہستیوں) کو تکلیف نہ پہونچ جائے''۔

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے سینے کو کینہ سے اور کسی کا برا چاہنے سے ہر طرح سے پاک کردیا تھا، آپؐ فرماتے تھے کہ: ''تم میں سے کوئی شخص مجھ سے کسی دوسرے کی شکایت نہ کرے اس لیے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تمہارے سامنے اس حالت میں آؤں کہ میرا دل بالکل صاف ہو''۔

آپؐ مسلمانوں کے حق میں شفیق باپ کی طرح تھے، اور سارے مسلمان آپؐ کے سامنے اس طرح تھے، جیسے وہ سب آپؐ کے اہل وعیال میں شامل ہوں، اور ان سب کی ذمہ داری آپؐ پر ہو، آپؐ کو ان پر اس درجہ شفقت اور ان سے اس درجہ تعلق تھا، جیسے ماں کو اپنے گود کے بچے سے ہوتی ہے، مسلمانوں کے پاس مال ودولت اور ان کے رزق میں جو فراخی اللہ تعالیٰ نے فرمائی تھی، اس سے تو آپؐ کو کوئی سروکار نہ تھا، لیکن ان کے قرضوں اور ان کو زیر بار کرنے والی چیزوں کو ہلکا کرنا، آپؐ نے اپنے ذمہ لے لیا تھا، آپؐ فرماتے تھے، جس نے ترکہ میں مال چھوڑا وہ اس کے وارثوں کا ہے، کچھ قرضہ وغیرہ باقی ہے تو وہ ہمارے ذمہ''، ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''کوئی مومن ایسا نہیں جس کا مجھ سے زیادہ دنیا وآخرت میں کوئی ولی ہو، اگر چاہو تو یہ آیت پڑھو: ''اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ'' [الاحزاب:٦] (نبی مسلمانوں کے لیے ان کی جانوں سے زیادہ دوست اور شفیق ہیں)۔

اس لیے جس مسلمان کا انتقال ہوا اور وہ کچھ مال چھوڑے تو وہ اس کے عصبہ، قریبی رشتہ داروں کا حق ہے، وہ جو بھی ہوں، اگر اس کے ذمہ کچھ قرض اور زمین جائیداد رہ جائے تو میرے پاس آئے، اس کا والی اور ذمہ دار میں ہوں''۔

☆☆☆☆☆

ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہماری تعریف اور ہماری تقدیس سے بے نیاز ہیں، ان کے بارے میں خود اللہ جل وشانہ نے یہ فرمادیا کہ: ''رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ'' کہ ہم نے تمہارے تذکرے کو بلند مقام عطا فرمایا ہے، ایسا بلند مقام کہ چوبیس گھنٹے میں کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا کہ دنیا میں کہیں نہ کہیں ''أشهد أن محمداً رسول الله'' کی صدا بلند نہ ہوتی ہو، ہر وقت اور ہر لمحہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی بلند بانگ سے دی جارہی ہے، اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے ذکر کو اتنا بلند فرمایا، یہ لوگ ہزار بدزبانیاں کیا کریں، لیکن کائنات کی ساری قوتیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور تقدیس کے گیت گاتی ہیں اور آپ پر درود بھیجتی ہیں، اللہ جل شانہ ان پر رحمت بھیجتے ہیں، فرشتے ان پر درود بھیجتے ہیں، ان کو نہ ہمارے تمہارے درود کی حاجت ہے، ان کو نہ ہماری اور تمہاری تعریف کی حاجت ہے اور نہ بدباطن لوگوں کی طرف سے کسی تعریف کی حاجت ہے، وہ ذات تو اس سے بلند وبرتر وبالا ہے، ان تمام تعریفات سے بلند ہے، ان کو تو پیدائش کے وقت سے اللہ تعالیٰ نے ''محمّد'' قرار دیا، یعنی جس کی تعریف کی گئی ہے، جس کی تعریف زمین وآسمان میں ہے، جس کی تعریف فرشتوں میں ہے، جس کی تعریف کائنات میں ہے، اس ذات کو تو آپ کی اور ہماری تعریف کی حاجت نہیں، لیکن یہ ایک مسلمان کی خوش بختی ہوگی کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کی تعریف کو اور آپ کی عظمت اور تقدیس کو، آپ کی حرمت کو برقرار رکھنے کے لیے وہ ایسا قدم کرے جس سے ان بدباطنوں کو نقصان پہنچائے، کم سے کم اتنا تو ہو کہ ان کو پیسے کی چوٹ لگے، ایک مرتبہ ان کو پتا چلے کہ الحمدللہ مسلمانوں کی غیرت ابھی سوئی نہیں ہے، ان شاء اللہ کم از کم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والوں میں تمہارا نام لکھا جائے گا۔

☆☆☆

سخن دلپذیر

معاشرہ کی موجودہ کمزوریاں اور ان کا علاج

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

اس وقت اسلامی معاشرہ کی اصلاح کی سخت ضرورت ہے، اور یہ کوئی نئی ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ گزشتہ زمانوں میں بھی برابر پیش آتی رہی ہے، کیونکہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ اسلامی معاشرہ کو مختلف قسم کے چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑا، اسی طرح آج بھی اسے متعدد چیلنجز درپیش ہیں، یہ چیلنج اور مسائل ہر زمانے میں اپنوں کی جانب سے بھی اور غیروں کی جانب سے بھی پیش آتے رہے ہیں، جن سے اسلامی معاشرہ پر اثر پڑتا رہا ہے اور دانشوروں اور مصلحین نے ان کا مقابلہ کیا ہے، آج بھی بعض ایسے چیلنج اور مسائل پیش آرہے ہیں جن کے دباؤ سے امت مسلمہ کو اپنی ذمہ داری اور قیادت وہدایت کے فریضہ کو بخوبی ادا کرنے میں رکاوٹ پیش آرہی ہے، جب کہ اسلامی اقدار، عقائد وآداب (اگر ان کو اپنایا جائے) تو ان میں امت مسلمہ کے انحراف وروگردانی سے بچاؤ اور ان کی حفاظت کے لیے پوری طاقت وصلاحیت موجود ہے۔

آج اسلامی معاشرہ اپنی اصل سے منحرف اور انحطاط کا شکار ہے، اس کا حال ایسے گھر کی طرح ہوگیا ہے جو حالات زمانہ اور اپنوں کی بے توجہی سے کہنگی اور کمزوری کا شکار ہورہا ہو، وہ اس میں رہنے والوں کی نہ تو گرمی سے حفاظت کررہا ہو اور نہ ہی بارش سے، اس کے رہنے والوں نے اسے درست کرنے کا ارادہ کیا ہو اور اس کی درستگی اور مرمت کرنے کی کوشش کی ہو اور اس کے لیے دوستوں سے تعاون لیا ہو، اور دشمنوں سے بھی سامان حاصل کیا ہو، اس طرح انہوں نے بعض شگاف تو بند کردیے ہوں لیکن ایسے اینٹ اور گارے سے جو باہم میل نہیں کھاتے، اور ایسے پتھروں سے اس کی مرمت کی ہو جو اس کی ضرورت کے سائز کے نہ تھے، چنانچہ اس مکان کو بھونڈے طریقے سے سنبھال لیا ہو لیکن اس طرح انہوں نے اس کی حالت بگاڑ دی ہو اور یہ ایسے وقت میں ہورہا ہے جب امت مسلمہ دنیا کے اکثر حصوں میں پھیل گئی ہے اور اسلام کے ماننے والوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوگیا ہے، اس وقت ان کی آبادی دنیا کی چوتھائی آبادی کے قریب ہوگئی ہے، اسی بنا پر معاندین اسلام ان کی بڑھتی ہوئی تعداد کو ڈر کی نظر سے دیکھنے لگے ہیں اور ان کو علاقائی خصوصیات کی بنا پر ایک ایسی طاقت تصور کرنے لگے کہ دنیا کے بعض علاقے ان کے اثر وطاقت، ہیبت اور وزن کے تعلق سے پہچانے جانے لگے، اسی کے پیش نظر اسلام کے مخالفین نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی سازشیں شروع کردیں، اور ان کے تشخص کو ختم رکنے اور ان کے امتیاز کو مٹانے کے منصوبے بنائے، اور ان کی معاشرتی طاقت و وحدت کو پراگندہ کرنے کی تدبیریں کیں، یہ معاشرتی طاقت ووحدت ان کے لیے وہ ذریعہ رہی ہے جس سے ایک طرف ان کی افاظت رہی ہے دوسری طرف وہ برے حالات میں ان کے لیے مدد وقوت بنتی رہی ہے۔

مسلمانوں کی موجودہ حالت

اس روئے زمین کے الگ الگ حصوں میں مسلمان جداگانہ ماحول میں زندگی بسر کرتے ہیں، بعض ملکوں میں تو وہاں اکثریت میں زندگی گزار رہے ہیں اور بعض میں ان کی حیثیت اقلیتی فرقہ کی ہے، ان میں بعض اقلیتیں اپنے سیاسی رسوخ اور معنوی طاقت وقوت کی بنا پر بہرحال کچھ بہتر حالت میں ہیں لیکن کچھ ملکوں میں ان اقلیتوں کی حالت ناقابل بیان ہے، اور ان کا بہت ہی برا حال ہے، مزید افسوس کی بات یہ ہے کہ جن ممالک میں مسلمان اکثریت میں ہیں ان میں بھی اکثر کی حالت بہت اچھی نہیں ہے اس لیے کہ انہوں نے اپنے ان ملکوں میں اپنے ملی تقاضوں اور حالات کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنی متوازن اسلامی سوسائٹی کی تعمیر وتشکیل نہیں کی، اور نہ ہی ان کے اندر انہوں نے اسلام کے اصل اور بنیادی تقاضوں کا خیال رکھا، اس بنا پر ان کا معاشرہ نہ تو قاعدے سے قدیم طریقہ کا مشرقی ہوسکا اور نہ ہی جدید اصول سے مغربی، اور نہ ہی وہ اصول ومزاج کے لحاظ سے صحیح اسلامی معاشرہ بن سکا، وہ دوسرے معاشروں کے پیوندوں سے آراستہ معاشرہ بنا، اس پیوندکاری سے ملت اسلامیہ کو کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں پہونچ سکا، یہ معاشرہ نہ تو اسلام کے اصل رنگ میں رن گیا یا، اور نہ ہی وہ فساد وبگاڑ کے اثرات سے محفوظ رہ سکا، چنانچہ وہ ایک ایسے مکان کی طرح ہوگیا، جو اپنے مکین کی نہ تو مصیبتوں سے حفاظت کرسکتا ہو اور نہ ہی اسے دشمن کے خطرہ سے محفوظ رکھ پاتا ہو۔

مسلمان اقلیتوں کا معاشرہ

اس صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے دیکھا جائے تو ملت اسلامیہ جہاں جہاں اقلیت میں ہے وہاں اس کے زعماء نہ تو اپنے لوگوں کے لیے اقتدار وحکمرانی کے شعبہ میں کوئی مضبوط گرفت رکھتے ہیں، اور نہ ہی اپنی خواہش اور منصوبوں کے مطابق وہ سماج کی تشکیل کرپاتے ہیں، اس لیے کہ وہاں ان سے مختلف مقاصد ومزاج رکھنے والی اکثریت حکمراں

ہے، اور حکمراں ہونے کی وجہ سے تعلیم اور ذرائع ابلاغ کے اداروں پر اس کا تسلط ہے، جو کسی بھی سماج کی تعمیر کے لیے بہت ہی اہم ذرائع ہوا کرتے ہیں، ان دونوں پہلوؤں کے ہاتھ میں نہ آنے اور موافق نہ ہونے کے بعد صرف ایک قومی ڈھانچہ بچتا ہے جو ہر باہری حملہ کا نشانہ ہے، ریڈیو اور ٹیلی ویژن اس کو بھی متاثر کرتا رہا ہے اور ٹیلی ویژن کے سبب اب معاشرہ کی گھریلو زندگی بھی محفوظ نہیں رہی ہے، معاملہ والدین اور بڑوں کے ہاتھ سے نکل گیا ہے، وہ اور گھر کے دوسرے ذمہ دار اپنی اولاد کی زندگی کو صحیح رخ دینے اور ان کو فساد سے بچانے میں ناکام ہیں۔

ان حالات کی بنا پر اسلامی اقلیتیں پورے طور پر زبوں حالی کا شکار ہیں اور ان کا اسلامی تشخص، دین وثقافت اور ادب وفن سخت آزمائش اور بحران کے دور سے گزر رہا ہے، جس کے لیے انہیں اکثریتی قوموں کے ذہنوں کی غلامی کرنی پڑ رہی ہے، اس کی زندہ مثال وہ واقعات ہیں جو آئے دن اسلامی اقلیت والے ملکوں میں پیش آتے رہے ہیں اور پیش آرہے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کچھ اسلامی اقلیتو ں کے اندر قائدانہ صلاحیت رکھنے والے بعض ہوشمند افراد اسلامی اقدار کی حفاظت کے لیے حکیمانہ ودانشمندانہ انداز اپناتے ہیں اور انہیں اس راہ میں کامیابیاں بھی نصیب ہوئیں۔

ان سلسلہ میں ان کے سب سے اہم ذرائع مساجد ہیں جو لوگوں کو روزانہ اور ہفتہ ہفتہ یا کم از کم سالانہ عبادتوں میں ایک جگہ اکٹھا ہونے کا موقع دیتی ہیں، اس کے علاوہ بعض مذہبی رسومات کے ذریعہ بھی وہ اپنے علماء سے دین حنیف کے نام پر رابطہ قائم کرتے ہیں اور وہ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوتے ہیں، اس وجہ سے ان کا اسلامی معاشرہ کسی حد تک باقی ہے اگرچہ وہ اپنی ہیئت وحالت کے اعتبار سے خستہ حال ہو رہا ہے، اور وہ پراگندہ اور بوسیدہ کیے جانے کا نشانہ ہے، اسی کے ساتھ دنیا کے بعض ملکوں میں بعض مسلم اقلیتیں ایسی ضرور ہیں جن کے اندر دینی اقدار کو متاثر کرنے والی اور اسلام دشمن طاقتیں پورے طور پر عمل دخل نہیں کر سکتی ہیں چنانچہ یہ اقلیتیں متعدد آزادیوں سے بہرہ ور ہیں، ان میں مدارس کے قیام کی خاطر خواہ آزادی ہے، وہ طبع واشاعت کے سلسلے میں بھی خود مختار ہیں، یہ لوگ دوسری کمزور ومغلوب اقلیتوں کے مقابلے میں اچھی حالت میں ہیں لیکن بہر حال ان کے مستقبل کے سلسلے میں ان کے ذہنوں کے اندر ضرور سوالیہ نشانات پائے جاتے ہیں، کیونکہ اسلام کو حریف سمجھنے کا خیال ایک عالمی شکل اختیار کر چکا ہے، لہٰذا انہیں کچھ علم نہیں کہ کب کیا ہو جائے۔

مسلمان اکثریت کا معاشرہ

ان علاقوں میں جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں، اکثریت میں ہونے اور ملک کی زمام اختیار اپنوں کے ہاتھ میں ہونے کو دیکھتے ہوئے ایسا لگتا ہے کہ وہ ملی تقاضوں اور ضرورتوں کے لحاظ سے بھی محفوظ ومامون ہوں گے لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ حقیقت اس کے برعکس ہے کیونکہ مغربی سامراج کے ان ملکوں سے نکلنے کے بعد بھی وہاں صحیح اسلامی تشخص بنانے کا کام نہیں ہو سکا، کیونکہ مغربی سامراج نے ان ملکوں میں اپنی پسند کے افکار و خیالات اور تہذیب وثقافت کے بیج اس طرح بو دیے ہیں کہ صحیح اسلامی فکر کے بحال ہونے کی راہ میں بڑی رکاوٹیں ہیں، دراصل مغربی سامراج نے اپنی حکومت کے دوران مشرقی اور اسلامی ملکوں کی نسلوں کی تربیت خالص مغربی تہذیب ومعاشرہ کی نہج پر کی اور ان ممالک کی سوسائٹی اور ان کے اقدار کو مغربی اقدار کے قالب میں ڈھالنے کی پوری کوشش کی، پھر دینی، عقائدی اور ثقافتی گمراہیاں اس پر مستزاد رہیں، بہر حال مشرق کو متاثر کرنے میں مغرب کو خاصی حد تک کامیابی ملی، اس زاویہ سے اگر دیکھا جائے تو ان ملکوں سے مغربی سامراج کا ابھی پورے طور پر خاتمہ نہیں ہوا ہے، وہ اگر کچھ ختم ہوا ہے تو صوری اور اصطلاحی طور پر ختم ہوا ہے، ثقافتی اور نظریاتی لحاظ سے ختم نہیں ہوا اور یہ مغربی سامراج وہاں سے اس وقت تک نہیں نکل سکتا جب تک کہ ہم اس کو اپنے دماغوں سے نہ نکال دیں، یہی وہ ضروری کام ہے، جس کو کرنا مسلمانوں کے لیے بہت ضروری ہے، پھر یہ ضروری ہوگا کہ وہ اسلامی سوسائٹی کی تشکیل خالص اس کے بنیادی اور فکری نہج پر کریں، لیکن اس سلسلے میں یہ ضروری ہے کہ ہم پہلے امراض کی تشخیص کریں اور معاشرہ کی کمزوریوں کو تلاش کریں اس کے بعد ہی ہم ان کا مناسب علاج اور مداوا کر سکیں گے۔

مدینہ منورہ کا معاشرہ بطور اسوہ

مذکورہ دونوں امور کے لیے ہم کو اولین اسلامی معاشرہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشرہ کی جانب لوٹنے کی ضرورت ہے، جن ملکوں میں مسلمان اقلیت میں اور خالفانہ ماحول میں ہیں وہاں آپ کے مکی دور کا معاشرہ اور جہاں بااختیار ہیں وہاں مدنی دور کا معاشرہ، مدنی دور کا معاشرہ ایسا معاشرہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منور کے دس سالہ قیام کے دوران وجود میں آیا، ماہ وسال کو دیکھتے ہوئے تو یہ مدت بہت معمولی ہے لیکن اپنی معنویت اور حقیقت کے اعتبار سے وہ صدیوں پر بھاری ہے، یہ معاشرہ ان تمام اسلامی معاشروں کے لیے آئیڈیل اور

نمونے کی حیثیت رکھتا ہے جو قیامت تک اس دنیا کے کسی بھی خطہ میں تشکیل پائیں۔

مدینہ منورہ کی اسلامی سوسائٹی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر بہت سی بنیادوں اور اصولوں کے ساتھ قائم تھی، اس کے واقعات وحالات ہمیشہ کے لیے اسلامی معاشروں کے لیے مشعل کا کام کرتے رہیں گے، اور انہیں کی روشنی میں ہم اپنی اعلیٰ وادنیٰ زندگیوں میں پیش آنے والے واقعات ومسائل کو ڈھال سکتے ہیں، اسلامی سوسائٹی کے مختلف پہلوؤں پر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقطۂ نظر اور ارشادات اور آپؐ کے اصحاب کرامؓ کے پیش کردہ حل سے تمام آنے والی نسلوں کو ہمیشہ ایک رخ اور ایک زاویہ نظر ملتا رہے گا۔

نبوی معاشرہ: دین ودنیا کا امتزاج

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں کو اپنے پالنہار، اپنے رب، اپنے خدا سے تعلق استوار کرنے اور پوری زندگی میں اسی تعلق کی درستگی کے لیے حکم دیتے تھے، اور آپ ان تمام فطری تقاضوں کا خیال رکھتے تھے، جن کے بغیر کسی انسان کا جینا مشکل ہے، ان کی عام زندگی کے لیے ان کی اجتماعی وانفرادی زندگی کے دائرہ میں غور وفکر کرتے تھے، اور سیاسی، اقتصادی، اور ثقافتی اغراض، الغرض ہر پہلو سے اس کی پوری رعایت کرتے تھے، آپؐ ایسے دینی پیشوا اور رہبر تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے بیک وقت دینی ہدایت ورہنمائی اور اخلاقی تربیت واصلاح کے لیے مبعوث فرمایا تھا، اسی بنا پر آپؐ اپنے پیروؤں کے عقائد کی درستگی اور ان کی دینی، سماجی اور اخلاقی کردار کی درستگی پر خصوصی توجہ دیتے تھے۔

دین وعبادت کا پہلو

جہاں تک دین وعبادت الٰہی کا تعلق ہے تو اس پر خود بھی اور اپنے ماننے والوں کو بھی ایسی پابندی کرنے کا حکم فرماتے تھے کہ جس میں اپنے خدا سے ہمہ وقت تعلق ومحبت کا رشتہ استوار ہوجائے، فرائض تو فرائض ہیں، مستحبات ومستحسن طریقوں کو بھی اختیار کرنے کا جذبہ پیدا ہوجائے، ایک حدیث میں آپؐ فرماتے ہیں:

"اس طرح خدا کی عبادت کرو گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم نہیں دیکھ رہے ہو تو جان لو کہ وہ تو تم کو دیکھ رہا ہے"، اور خود عملی طور پر کثرت عبادت کی مثال پیش کرتے تھے، یہاں تک کہ زیادہ نماز پڑھنے سے آپؐ کے پیروں میں ورم ہوجاتا تھا اور جب آپؐ سے کہا جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے پچھلے اور اگلے گناہوں کو معاف فرمادیا ہے، تو آپؐ اس قدر عبادت کیوں کرتے ہیں، تو آپؐ فرماتے کہ کیا میں اپنے خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں، لیکن اس کے ساتھ جسمانی صحت وبقاء کا لحاظ کرنے کی طرف بھی تاکید کرتے تھے۔

چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ بیشک تمہارے جسم کا تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے اور تمہاری جان کا تم پر حق ہے تو ہر ایک کو اس کا پورا حق دو، آپؐ صدقات کا حکم فرماتے تھے، اور اس کی تاکید کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ آگ سے بچو اگرچہ کھجور کی گٹھلی کے ذریعہ ہی کیوں نہ ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرتے تھے اور فقر کی پروا نہیں فرماتے تھے، آپؐ زہد وتقویٰ وتوکل اختیار کرنے اور دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے کو بہتر قرار دیتے تھے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی زندگی وقف کردے اور عبادت الٰہی کے لیے سب کچھ قربان کردے اس کو پسند فرماتے تھے، اور اصحاب صفہ جو آپؐ کی مسجد میں حصول علم کے لیے مقیم تھے، آپؐ کے ساتھ بھوک کو برداشت کرتے تھے اور مستقل طور پر اقتصادی وسائل نہ ہونے کی وجہ سے کم غذا پر ان کو اکتفاء کرنا پڑتا تھا۔ آپؐ جس قدر روزی میسر ہوتی تھی اس میں انہیں اپنے ساتھ شریک کرتے تھے، اور دین کے امور انجام دینے اور خدا کو بکثرت یاد کرنے کے سلسلے میں خاص اہتمام کا حکم فرماتے تھے، بیان کیا جاتا ہے کہ آپؐ کی مجلس میں ایک شخص پابندی سے حاضر رہتا تھا، جس کے بھائی زندگی کے مصارف کے لیے کمانے کی مشغولیت اختیار کرتے تھے اور خود پر اور اپنے اس بھائی پر خرچ کرتے تھے ان کے اس کمانے والے بھائی نے ایک روز رسول اللہؐ سے شکایت کہ کہ اس کے یہ بھائی ان کے ساتھ تعاون نہیں کرتے تنہا مجھ پر بوجھ پڑ گیا ہے، تو آپؐ نے ان بھائی کے دین سیکھنے میں مشغول ہونے کی اہمیت بتاتے ہوئے فرمایا کہ شاید تمہیں اسی کی وجہ سے رزق دیا جارہا ہو یعنی بسا اوقات اللہ تعالیٰ ایسے اچھے ساتھی اور بھائی کی برکت کی وجہ سے ہی کمائی میں سہولت پیدا کرتا ہے، جو اپنے وقت کو دین کی تعلیم کے لیے صرف کرتا ہے۔

زندگی کا بنیادی پہلو

لیکن آپؐ کا یہ کہنا دنیاوی تقاضے کو نظر انداز کرنے کے لیے نہیں تھا کیونکہ اسی کے ساتھ حضورؐ کسی سے مانگ کر اپنی ضرورت پوری کرنے اور اپنے بوجھ کو کسی دوسرے پر ڈالنے سے بھی روکتے تھے، آپ نے ایک شخص کو دیکھا جو لوگوں سے مانگ کر اپنی ضرورت پوری کرتا تھا، تو اس کو ایسا کرنے سے منع کیا اور اس سے پوچھا کہ اس کے پاس کیا سامان ہے، اس کے پاس ایک چادر اور ایک برتن تھا، آپؐ نے اس کو نیلام کردیا، پھر حاصل شدہ رقم سے ایک کلہاڑی خریدی جس سے وہ شخص لکڑی کاٹ کر فروخت کرے، تاکہ اس کے نفع سے اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے پر قادر ہوسکے، اس سے معلوم ہوا کہ مال کا حصول اپنی ذاتی محنت سے کرنا چاہیے اور انسان کو دوسروں پر بوجھ نہیں بننا چاہیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کثرت عبادت کی جانب رغبت دلایا کرتے تھے، لیکن جب آپؐ کو علم ہوا کہ تین صحابہؓ نے یہ قسم کھائی ہے کہ ان میں سے ایک شخص پوری رات عبادت میں گزارے گا، اور وہ راتوں کو نہیں سویا کرے گا، اور دوسرا شخص اپنا پورا دن روزہ میں گزارے گا، تیسرا شخص کبھی شادی نہ کرے گا اور عبادت کی خاطر تجرد کی زندگی گزارے گا، تو آپؐ نے اس سے منع فرماتے ہوئے فرمایا کہ میں تم میں سب سے زیادہ اللہ کا عبادت گزار بندہ ہوں، رات کو عبادت کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزے رکھتا ہوں اور بغیر روزے کے بھی دن گزارتا ہوں، شادی کی ضرورت بھی پوری کرتا ہوں۔

آپؐ حاکم (امیر) کی مکمل اطاعت کا حکم فرماتے تھے، لیکن جب آپؐ کو پتہ چلا کہ ان کے امیر نے لوگوں کو آگ کے اندر گھس کر جل جانے کا حکم دیا، جس کی ان لوگوں نے حکم عدولی کی تو آپ نے ان کی اس حکم عدولی کو صحیح قرار دیا، اور فرمایا کہ اگر تم لوگ آگ میں داخل ہوجاتے تو کبھی اس سے نہ نکل پاتے، یعنی جہنم کی آگ میں جانا پڑتا اور فرمایا کہ اگر خالق یعنی خدا کی معصیت کی بات ہو تو اس میں کسی بھی بندے کا حکم نہیں مانا جائے گا، آپؐ زوجین کو باہم حقوق کی ادائیگی کا حکم فرمایا کرتے تھے، اسی طرح پڑوسی حاکم وخادم وغلام کے باہم حقوق کی ادائیگی پر زور دیا کرتے تھے۔

اپنی وفات کے وقت جہاں آپؐ نے نماز کی پابندی کا حکم فرمایا وہیں غلاموں کے حقوق کی ادائیگی، عورتوں پر رحمدلی کا معاملہ کرنے نیز ان دونوں کے ساتھ حسن سلوک اور نرمی کے ساتھ پیش آنے کی تلقین بھی فرمائی، اور آپؐ نے عورتوں کو ان کی کمزوری کے پیش نظر ان کی کمزوری کا لحاظ رکھنے کی طرف متوجہ کرنے کے لیے ان کو شیشہ سے تشبیہ دی کہ ان کے ساتھ نرمی برتو وہ آبگینوں کی طرح ہیں، آپؐ نے اجتماعی زندگی کی حفاظت کا حکم فرمایا اور لوگوں کو اختلاف وتفرقہ بازی سے منع فرمایا اور فرمایا کہ جو جماعت سے کٹ گیا وہ جہنم میں جائے گا اور وہاں بھی علاحدہ جائے گا، اور فرمایا کہ بھیڑیا اس بکری کو کھا جاتا ہے جو ریوڑ سے علاحدہ ہوجاتی ہے۔

مسائل زندگی میں اعتدال وتدبر وحکمت عملی کا لحاظ

حضورؐ اسلامی زندگی کے مسائل کے لیے حکمت کے پہلو کو اپناتے تھے، آپؐ فوجوں کی خود تربیت فرماتے تھے، اور جنگ کے سلسلہ میں بہتر سے بہتر تدبیروں کو اختیار کرتے تھے اور دشمن کے فریب سے بچنے میں ذرہ برابر کوتاہی نہیں کرتے تھے، آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا، آپؐ ہر کام کے لیے ساز وسامان اور حکمت وتدبیر کے ساتھ پوری تیاری کرتے تھے، آپؐ نے اپنے صحابہؓ سے جبل احد کی جانب سے دشمنوں سے جنگ کرنے یا پھر مدینہ میں رہ کر ان کا دفاع کرنے کے سلسلے میں مشورہ کیا، اور جب آپؐ نے دیکھا کہ صحابہ کی بڑی تعداد کی رائے شہر کی محفوظ فضا سے نکل کر شہر سے باہر میدان میں جنگ کرنے کی ہے، تو آپؐ نے ان کی رائے کو اس وقت کے حالات کے لحاظ سے زیادہ مدبرانہ نہ سمجھتے ہوئے بھی مان لیا، پھر یہ بھی تدبیر کی کہ کچھ تیر انداز ساتھیوں کو میدان جنگ سے متصل پہاڑی پر بیٹھنے کا حکم فرمایا تاکہ وہ دشمن کی نقل وحرکت پر نظر رکھ سکیں اور جنگ کے خاتمہ تک ان کو وہاں جمے رہنے کی تاکید کی، لیکن وہ لوگ جنگ کا پانسہ دشمن کے خلاف ہوتے ہوئے دیکھ کر بعد میں اس خیال سے وہاں سے ہٹ گئے کہ مسلمان غالب آرہے ہیں، اور کفار شکست کھا رہے ہیں، چنانچہ مسلمانوں کو اس غلطی کی وجہ سے زبردست نقصان کا سامنا کرنا پڑا اور کچھ دیر کے لیے انہیں سخت ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا، اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حسن تدبیر اور جنگی مصلحت کو سمجھنے کا پتہ چلتا ہے، آپ توکل کرنے کی نصیحت تدبیر وحکمت اختیار کرتے ہوئے کرنے کرنے کا حکم فرماتے تھے، آپؐ فرماتے تھے کہ اونٹ کو باندھو پھر توکل کرو یعنی اونٹ کو باندھنے کی تدبیر نہ کرکے بھروسہ کرنا یہ ان شاء اللہ بھاگے گا نہیں، صحیح نہیں۔ حضورؐ نے ایران میں منجنیق (جو توپ کی طرح ہوتی تھی) بطور اسلحہ جنگ اختیار کیے جانے کو حضرت سلمان فارسیؓ سے سنا اور اختیار فرمایا، اسی طرح آپؐ نے بادشاہوں سے رابطہ کرنے میں اس دور میں رائج طریقوں کو اپنایا، چنانچہ آپؐ نے ان کے پاس خطوط روانہ کیے اور اس زمانہ کے مہذب ومثقف بادشاہوں کے رواج کے مطابق ان خطوط پر اپنی مہر لگائی، ساتھ ہی آپؐ نے لکھنے پڑھنے کو سیکھنے کا بھی حکم فرمایا بلکہ غیر عربی زبانوں کو بھی سیکھنے کا حکم دیا، آپ علم حاصل کرنے کا حکم فرماتے اور اس کی بہت تعریف کرتے تھے اور علوم کے جمع کرنے وترتیب دینے کا خاص اہتمام فرماتے تھے، آپؐ نے بعض صحابہ کو وحی الٰہی کو باقاعدہ قلم بند کرنے کے لیے منتخب فرمایا، یہ چیز اس زمانہ میں رائج نہیں تھی اور بالکل نئی تھی اس لیے کفار مکہ نے قدرے تعجب سے اس کو دیکھا اور قرآن مجید میں ایسے لوگوں کا یہ قول نقل ہوا کہ یہ قرآن دراصل عہد ماضی کا افسانہ ہے، اس کو انہوں نے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھ لیا ہے، اور وہ صبح وشام ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے، آپ کا زہد وتوکل اس دور میں رائج وسائل کو اختیار کرنے میں حارج نہیں ہوا، آپ نے کھجور کی تلقیح کو دیکھا تو اس کو نہ کرنے کی بات فرمائی، اور اس سے لوگوں کو روک دیا، لیکن جب آپ کو علم ہوا کہ ترک تلقیح سے پھلوں کو نقصان ہورہا ہے تو انہیں اجازت دیدی اور فرمایا کہ یہ تمہارے دنیاوی معاملات میں سے ہے یعنی عام تدبیروں سے اس کا تعلق ہے جسے انسان اپنے

تجربہ اور فہم کی بنیاد پر اپناتا ہے اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دین اس سے روکتا نہیں ہے بلکہ اس کو بہ نظر تحسین دیکھتا ہے اور جب تک کوئی بات دین سے متعارض نہ ہو اس کی تحسین وستائش کرتا رہتا ہے۔

گویا اس کے ذریعہ آپؐ نے ایک عظیم بنیاد قائم کی جس پر عام مسلمان کی زندگی استوار ہوسکے وہ یہ کہ جو چیز دین کے طے شدہ امر کے خلاف نہ ہوتی ہو اس کا تعلق صرف دنیاوی معاملات وتجربات سے ہو تو مؤمن جس پر اپنے رب کی اطاعت کے ساتھ ساتھ دین کے احکام کی پیروی لازم ہے اس کو اختیار کرسکتا ہے یعنی اقتصادی اور سیاسی، معاشرتی و ثقافتی اور اس سے متعلق امور میں بشرطیکہ دین کے بتائے ہوئے کسی امر کے خلاف نہ پڑتے ہوں اپنی زندگی کے فائدے کے لیے اس کو اپنانے میں وہ خود مختار و آزاد ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان چیزوں کی اجازت فرمائی اور ان میں سے متعدد کو خود اختیار فرمایا اور اپنی ذاتی اور اجتماعی زندگی میں اس سلسلہ میں ایسے نقوش چھوڑے جو قیامت تک تمام بنی نوع انسان کے لیے اسوہ اور نمونہ ثابت ہوں، جس سے مسلمان اپنی دنیاوی، سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی زندگی میں رہنمائی حاصل کرے، اور مسلمان ہر زمانہ اور ہر خطہ میں اپنی معاشرتی زندگی کی تشکیل میں اس کو نقش راہ بنائے، آپؐ نے ان کو یہ اصول عطا کیا کہ وہ اپنے دینی امور میں کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ سے مستنبط شرعی احکام کی پیروی کریں اور اس سے دینی زندگیوں کی تعمیر کریں اور عام معاملات میں جسے حضورؐ اور ان کے صحابہؓ نے اپنی مبارک زندگیوں میں بطور نمونہ چھوڑا ہے یا جن کو انسانی تجربہ اور انسانی فہم پر چھوڑا ہے اس کو اپنا کر دنیاوی زندگی میں رواں دواں ہوں۔

☆☆☆☆☆

سید احمد شہید اکیڈمی کی
جدید و دیدہ زیب مطبوعات

حق وباطل کی کشمکش۔ سورۂ کہف کی روشنی میں

از: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی

سورۂ کہف کی جامع تفسیر، قرآن سے شغف اور عربی زبان وادب کے خاص ذوق کی غماز!
الفاظ ومعانی کی دل کش پیرایہ میں تشریح وتطبیق، خواص وعوام دونوں کے لیے یکساں مفید!

صفحات: ۲۲۴ قیمت: ۲۰۰

ایثار کیا ہے؟

از: مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی

حدیث کی شہرۂ آفاق کتاب ''تہذیب الاخلاق'' کے ''باب الإيثار والمؤاساة'' کا درس!
خود غرضی ومادیت کے دور میں ایثار وقربانی کا جذبہ بیدار کرنے کے لیے ایک مؤثر رسالہ!
طلبہ وعلماء اور عوام سب کے لیے ایک بہترین تحفہ!

صفحات: ۵۶ قیمت: ۴۰

حلال کمائی اور اس کے ذرائع

از: مفتی راشد حسین ندوی

موجودہ حالات کے تناظر میں حلال کمائی اور اس کے ذرائع پر سیر حاصل بحث!
جدید مسائل پر فقہی بصیرت کے ساتھ مستند لانہ کلام اور شرعی نقطہ نظر کی وضاحت!
طلبہ اور فقہی ذوق رکھنے والوں کے لیے ایک بہترین سوغات!

صفحات: ۱۵۲ قیمت: ۱۰۰

رابطہ: سید احمد شہید اکیڈمی

دار عرفات، میدان پور، تکیہ کلاں، رائے بریلی (موبائل 9919331295)

نوٹ: یہ کتابیں لکھنؤ کے سبھی مکتبوں میں دستیاب ہیں۔

فکر و نظر

معاشرہ کی اصلاح میں دل ودماغ کا استعمال

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

دنیا میں کتنے لوگ ایسے ہیں جنہیں ہر وقت اپنے دل کو غلط خیالات سے پاک صاف رکھنے کی فکر دامن گیر رہتی ہے، اگر انسان کا دل غلط تصورات اور عیوب ونقائص سے پاک ہوتا ہے تو وہ عین فطرت انسانی کے مطابق کام کرتا ہے اور اس سے کوتاہی اور غلط کام کا ظہور نہیں ہوتا، اس کی مثال اس صحیح مشین Warking (Order) سے دی جاتی ہے جس کے تمام کل پُرزے برابر کام کرتے رہتے ہیں اور مالک کو ان پر اعتماد ہوتا ہے، اگر یہ مشین یوں ہی چھوڑ دی جائے، اس سے پرانے تیل کو نکال کر نیا تیل نہ ڈالا جائے اور خراب پرزوں کو بدلا نہ جائے تو مالک کو اس سے کم منافع حاصل ہوں گے اور ناگاہ وہ اپنا کام کرنا بھی چھوڑ دے گی، جس کی وجہ سے جملہ سرگرمیاں ٹھپ پڑ جائیں گی۔

دل انسان کے جسم میں طاقت وقوت کا سرچشمہ ہے، رگوں تک خون پہونچانے کا آلہ ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو پورا نظام جسمانی اپنا کام صحیح ڈھنگ پر انجام دیتا رہتا ہے، اور داخلی امراض سے وہ محفوظ رہتا ہے، دل جس طرح سے انسان کے جسمانی نظام کا مرکز ہوتا ہے اسی طرح اس کے روحانی نظام کا تعلق بھی دل ہی سے ہوتا ہے، جب دل پاک ہوتا ہے تو انسان کا ہر عمل درست وپاکیزہ ہوتا ہے، اس کے ذریعہ ہر پاکیزہ انسانی ضرورت کی تکمیل ہوتی ہے، یہی دل جب اللہ کے ذکر سے رطب اللسان رہتا ہے تو اس کے حامل کو روحانی غذا ملتی رہتی ہے جس کی وجہ سے وہ نرمی کے مقام پر نرمی اور سختی کے مقام پر سختی کا رویہ اختیار کرتا ہے۔

اس کے برعکس ایک گنہگار اور فاجر و فاسق شخص کے دل میں ارتکاب گناہ کے بعد ذرا کسک پیدا نہیں ہوتی، وہ برے کام میں منہمک ومصروف رہتا ہے، اقوال رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور نفس کی شیطنت کے درمیان تمیز پیدا نہیں کرتا، وہ گناہ کا اتنا عادی اور رسیا ہوجاتا ہے کہ فطرت بھی اس سے پناہ مانگتی ہے اور وہ شرافت ونجابت، زہد وقناعت اور صلاح وتقویٰ کے لبادہ کو اتار کر پھینک دیتا ہے اور قرآن کریم میں ایسے ہی لوگوں کا تذکرہ ہے: "كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ" [سورۂ مطففین: ۱۴] (ہرگز ایسا نہیں! بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال بد کا زنگ بیٹھ گیا ہے)۔

آقائے مدنی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے لوگوں کے قلوب پر غفلت ونسیان کا غلبہ تھا، ان پر کفر وشرک کا دبیز زنگ بیٹھ گیا تھا، ایمان وعمل کی کوئی جھلک بھی نہیں دکھائی دیتی تھی، شراب نوشی اور بے حیائی نے وہاں کے باشندوں کو سنجیدگی سے سوچنے کا موقع ہی فراہم نہیں کیا، ان کے نظام ہائے حیات بھی اتھل پتھل کے شکار تھے، ان کی زندگی شقاوت وقساوت سے عبارت تھی، ضلالت و گمراہی عام تھی، اور ظلم وزیادتی کا بازار ان کے اندر گرم رہتا تھا، ایسے پر آشوب حالات میں آپ کی بعثت ہوئی اور آپ کے دوشِ ناتواں پر نبوت کی عظیم ذمہ داری ڈالی گئی، اور تعلیم و تربیت، تزکیہ واحسان اور لوگوں کے قلوب کی صفائی کی تاکید فرمائی گئی، غرض یہ کہ نبوت کے چہار گانہ صداقت سے متصف ہونے کو کہا گیا۔

قرآن کریم میں ارشاد باری ہے:

"لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ" [آل عمران: ۱۶۴] (اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انہیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور ان کو پاک کرتے ہیں، اور (خدا کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں، اور پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے)۔

آج اگر ہم معاشرۂ انسانی پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو لوگوں کو فواحش ومنکرات میں مبتلا پاتے ہیں، عیاری، مکاری اور جعل سازی میں وہ اتنے بڑھ چکے ہیں کہ اس کی کوئی مثال نہیں ملتی، معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دلوں پر مہر لگ گئی ہے، ایسے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث ہمیں یاد آتی ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ: خبردار! جسم انسانی میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے، اگر وہ درست رہتا ہے تو پورا جسم درست رہتا ہے، اور اگر وہ بگڑ جاتا ہے تو پورے جسم کا نظام بگڑ جاتا ہے، سن لو! وہ دل ہے۔

درحقیقت قلب ہی انسان کے افکارو خیالات کا سرچشمہ ہے ،وہ خوشی ونا راضگی، صلاح وفساد، نیکی کا حکم دینے اور بدی سے روکنے اور محبت وعداوت کے اظہار کا مرکز ہے، اسی وجہ سے اس کی طہارت ونظافت کا خیال رکھنا، اس کو اطمینان وسکون بہم پہونچانا بے حدضروری ہے ،اس حقیقت سے دنیا کے اکثر انسان نا آشنا ہیں، حتی کہ عالمی فلسفوں اور مختلف تہذیبوں کے متوالے بھی اس سے ناواقف ہیں، انہیں اس کی بھی خبرنہیں کہ تہذیب کی تعمیر وتخریب میں اس کا کیا کردار رہا ہے، اس کردار سے عدم واقفیت ہی نے یورپ کے باشندوں کودل کا مریض بنادیا ہے، جس کی وجہ سے وہاں کثرت سے دل کے دورے پڑتے ہیں، بالآخر وہ اس کی سرجری کرتے ہیں، اور فطری طریقے سے اس کو خون فراہم کرنے کا راستہ بناتے ہیں۔

امراض قلب کے بعض ماہرین کا کہنا ہے کہ اللہ کے ذکر سے ہی قلب کو تمام بیماریوں سے پاک وصاف رکھا جاسکتا ہے، جو بندہ صدق دل سے اللہ کے سامنے روتا اور گڑگڑاتا ہے اس کو قلب کی ظاہری وباطنی کوئی بیماری نہیں لاحق ہوتی ہے۔

دینی اعتبار سے قلب ایمان وایقان کا مرکز ہے، وہ کبھی کبھی اخلاقی امراض پر بندش لگانے اور اسلامی معاشرہ کی تعمیر میں ہاتھ اور زبان کا نمائندہ ہوتا ہے ،اسی طرح جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا کہ تم میں سے اگر کوئی شخص برائی دیکھے تو ہاتھ سے ختم کرنے کی کوشش کرے، اگر اس کی استطاعت نہیں رکھتا تو زبان کے ذریعہ اس کو ختم کرے، اگر اس کی بھی استطاعت نہیں رکھتا ،تو دل سے اس کو برا سمجھے، اور یہ ایمان کا آخری درجہ ہے۔

بعض لوگوں نے صرف یہ سمجھ رکھا ہے کہ دل صرف رگوں تک خون سپلائی کرنے کا آلہ ہے، اسی پر اعتماد کرکے انہوں نے قلب کی فعالیت اور تاثیر سے چشم پوشی کی اور اس کو صاف وستھرا رکھنے کے وسائل فراہم نہیں کیے، چنانچہ وہ خسارہ میں رہے، دل کو صرف رگوں اور جسم کے پورے حصے میں خون پہونچانے کا آلہ سمجھنا، ذکر واذکار سے اس کو پاک نہ کرنا اور اس کے قائدانہ کردار سے تغافل برتنا یہ سب غیر دانشمندانہ اور غیر اسلامی اعمال ہیں اور اسلام قطعاً اس کی اجازت نہیں دیتا، بلکہ وہ تو ذکر و اذکار، توجہ وانابت الی اللہ میں مشغول رکھنے کا حکم دیتا ہے، کیونکہ ان کے ذریعہ انسان کو فکری و روحانی غذا ملتی ہے، اور ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ:

"إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ" [سورہ حم السجدۃ:۳۰] (جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر وہ اس پر قائم رہے، ان پر فرشتے اتریں گے (اور کہیں گے) کہ نہ خوف کرو، اور نہ غمناک ہو اور جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا اس کی خوشخبری حاصل کرو)۔

قرآن کریم کی اس آیت سے زیادہ قوی کیا کوئی دلیل ہوسکتی ہے کہ جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ ایمان کے حاملین کے قلوب پر نہ دنیا میں غم کا اثر ہوگا اور نہ آخرت میں وہ پریشان ہوں گے، وہ جنت کی سدا بہار ولازوال نعمتوں کے بیچ زندگی گذاریں گے اور ان کو ایسی دائمی زندگی نصیب ہوگی جو کبھی فنا نہیں ہوگی اور ایسی خوشی حاصل ہوگی جس کا اندازہ اس دنیاوی زندگی میں نہیں لگا یا جاسکتا، یہی وجہ ہے کہ مذہب اسلام اطاعت وفرمانبرداری میں ایک دوسرے سے سبقت کرنے اور معاشرۂ انسانی میں احکام الٰہی کے نفاذ کی ترغیب دیتا ہے اور اس دین قیم کی نشر واشاعت پر مامور کرتا ہے جس کی تمام تر توجہات قلب ہی پر مرکوز ہوتی ہیں، اسلام، اسلامی تہذیب کے ان بنیادی ستونوں کو مضبوطی کے ساتھ تھامنے کا حکم دیتا ہے جو آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یوں بیان کیے گئے ہیں کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم ہے: ۱- کلمۂ طیبہ کی گواہی دینا، ۲- نماز قائم کرنا ،۳- زکوٰۃ ادا کرنا،۴- رمضان المبارک کے روزے رکھنا،۵- بیت اللہ شریف کا حج کرنا۔

ان بنیادی احکامات پر عمل کرنے والے افراد ہی قلب سلیم کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں، وہ زمانہ کا شکوہ نہیں کرتے، بلکہ ایمان کامل کے ہتھیار سے لیس ہوکر زمانہ کا مقابلہ کرتے ہیں، اور اس سلسلہ میں ابوالأنبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کسب فیض کرتے ہیں ،جن کی زندگی کا ابتدائی مرحلہ شرک پرستی وبت پرستی سے پراگندہ ماحول میں گزرا تھا، لیکن انہوں نے لوگوں تک خدا کا حقیقی پیغام پہونچایا، نامساعد حالات کی پرواہ نہیں کی ،بادشاہ وقت نمرود کی طرف سے آگ میں ڈالے جانے کا جو منصوبہ طے پایا تھا اس سے بھی خوف نہیں کھایا، نہ اس سے دل برداشتہ ہوئے اور نہ شرک سے سمجھوتہ

کیا۔ بقول شاعر:

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لب بام ابھی

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اس قائدانہ کردار سے بنی نوع انساں کو ایک نیا راستہ دکھایا اور یہ تعلیم دی کہ اگر انسان ایسے ماحول میں ہو جہاں شرک و بت پرستی عام ہو، مجاورین اور پروہتوں کی کثرت ہو، اور حالات صحیح رخ اختیار نہ کر سکے ہوں، اسلام دشمن طاقتیں برسرِ پیکار ہوں تو گھبرانے کی قطعاً ضرورت نہیں، بلکہ اپنے قلب کے اندر ایمان کی شمع روشن کر کے دعوتی فریضہ کو بحسن وخوبی انجام دینے کی ضرورت ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا عملی نمونہ بھی پیش کیا، کیونکہ وہ وسیع دماغ کے مالک تھے، قلب سلیم جیسی عظیم نعمت ان کو حاصل تھی، امن وامان اور چین وسکون کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے، ان پر رحمت کی گھٹائیں چھائی رہیں، ہر طرف سے خدا کا تحفظ حاصل رہا، وہ خدا کے فرمانبردار، کلمۂ توحید کو بلند کرنے والے اور عظیم داعی الی اللہ تھے، بالآخر طاغوتی طاقتوں کا سر نیچا ہوا، حق کا بول بالا ہوا، ایمان کامل اور قلب سلیم جیسے ہتھیار نے اپنا کام کر دکھایا۔

اس وقت ہمیں بھی حالات حاضرہ کے پیش نظر اپنے دل ودماغ کی صلاحیتوں کو صحیح ڈھنگ سے استعمال کر کے معاشرہ کی اصلاح میں تعمیری کردار ادا کرنے کی بے حد ضرورت ہے تاکہ دنیا سے شر وفساد اور بگاڑ کا خاتمہ ہو اور لوگ فطرت کے مطابق زندگی بسر کریں۔

☆☆☆☆☆

صلِّ علی ہے نسخۂ تسخیرِ کائنات

تخلیق تیری مقصدِ تخلیقِ کائنات
میلاد تیری باعثِ تنویرِ کائنات

لولاک میں ہے نکتۂ آغازِ کائنات
افلاک پر ہے طلعتِ مہتاب کائنات

آئینہ دار رتبۂ والشّمس والقمر
ہستی میں آپکی ملے انوارِ کائنات

شامِ ازل میں مطلعِ نورِ سحر ہیں آپ
صیقل ہوئی ہے آپ سے تصویرِ کائنات

رفعت ہے تری معنیٔ رفعت سے بھی بلند
عظمت کا قدرداں تری خلاق کائنات

واللہ آپ نقشِ ازل کے ہیں شاہکار!
اور نقشِ پا میں آپ کے ہے نقشِ کائنات

بعثت دلیل قربِ قیامت ہے آپکی
یعنی وجود آپ کا انجامِ کائنات

صلِّ علی کے ورد میں نعماں نجات ہے
صلِّ علی ہے نسخۂ تسخیرِ کائنات

از: محمد نعمان اکرمی ندوی
بھٹکل، کرناٹک

حالات حاضرہ

ناخوشگوار حالات میں ہماری ذمہ داری

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

اس وقت جن مسائل نے ملت کے رہنماؤں کو تشویش میں ڈال رکھا ہے، ان میں سرفہرست بعض مسلمان لڑکیوں کی غیر مسلم لڑکوں کے ساتھ نکاح کا مسئلہ ہے، یہ رشتہ اگرچہ شرعی اعتبار سے معتبر نہیں ہے؛ لیکن قانون کی نظر میں اس کا اعتبار ہے، یوں تو اس طرح کے واقعات ہمیشہ سے پیش آتے رہے ہیں، مسلمان مردوں کا غیر مسلم عورتوں سے اور مسلمان عورتوں کا غیر مسلم مردوں سے نکاح، فلمی دنیا اور سیاست کی دنیا میں اس طرح کے واقعات زیادہ پیش آیا کرتے رہے ہیں؛ لیکن اب اس میں دو ایسی باتیں شامل ہوگئی ہیں، جن کی وجہ سے بجا طور پر زیادہ تشویش پائی جاتی ہے، ایک یہ کہ پہلے اس طرح کے واقعات اتفاقی طور پر پیش آیا کرتے تھے اور زیادہ تر شخصی پیار و محبت کا نتیجہ ہوتے تھے؛ لیکن اب فرقہ پرست عناصر کی طرف سے منصوبہ بندی کے ساتھ اس کی کوشش کی جارہی ہے اور اس کا اعلان و اظہار بھی کیا جاتا ہے؛ تاکہ مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ رسوا کیا جائے، دوسرا سبب یہ ہے کہ بہت سے مسلمان رہنما بھی اس کے عواقب پر غور کیے بغیر بہت بڑھا چڑھا کر مبالغہ کے ساتھ ایسے واقعات کے اعداد و شمار اپنی تقریروں اور تحریروں میں نقل کر رہے ہیں؛ حالاں کہ اِس بڑی تعداد میں ایسے واقعات کا کوئی معتبر ثبوت موجود نہیں ہے، میرج رجسٹریشن آفس میں ضرور اس کا ریکارڈ ہوتا ہے؛ لیکن وہ اتنا نہیں ہے جو کہا جاتا ہے، اور اس میں دونوں طرح کے واقعات ہیں، جیسے مسلمان لڑکیوں کے غیر مسلم لڑکوں کے ساتھ رشتۂ ازدواج کے رجسٹریشن ہو رہے ہیں، اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر غیر مسلم لڑکیوں کے بھی مسلمان لڑکوں کے ساتھ نکاح کے واقعات درج ہوتے ہیں۔

یہ سمجھنا بھی درست نہیں ہوگا کہ نعوذ باللہ مسلمان لڑکیوں کی بڑی تعداد مرتد ہو رہی ہے، اور مرتد ہونے کے بعد وہ اپنا جوڑا غیر مسلم سماج میں تلاش کر رہی ہے، جیسا کہ نو مسلم لڑکیاں مسلمان ہونے کے بعد مسلمان لڑکوں سے شادی کی خواہاں ہوتی ہیں؛ بلکہ زیادہ تر وہ صرف اپنی شادی کسی خاص سبب کے تحت غیر مسلم آشنا سے کرنا چاہتی ہیں، یا اس پر آمادہ ہو جاتی ہیں، عام طور پر وہ اپنا مذہب بدلنا نہیں چاہتیں، تعلیمی اداروں میں مغرب کا کلچر تیزی سے آرہا ہے کہ وقتی پیار و محبت کو نکاح کی شکل دے دی جائے اور دونوں اپنے اپنے مذہب پر قائم رہیں؛ اس لیے ایسے سارے واقعات ارتداد پر مبنی نہیں ہیں؛ بلکہ زیادہ تر ہوا و ہوس پر مبنی ہیں، دوسرے یاد رکھنا چاہیے کہ ایسے واقعات کا چرچا کرنے سے ملت میں شکست خوردگی کا احساس بڑھ جاتا ہے اور قوم اجتماعی سطح پر مرعوبیت کا شکار ہو جاتی ہے، یہ احساس کمتری اس میں بزدلی اور سپر اندازی کا مزاج پیدا کر دیتی ہے؛ اس لیے ایسی غیر مصدقہ باتوں کو زیادہ مشتہر کرنا بحیثیت مجموعی امت کے لیے نقصاندہ ہے، اور جب بدقماش لوگ سنتے ہیں کہ اتنے سارے لوگوں نے یہ راہ اپنالی ہے تو پھر اس کی برائی کا احساس بھی ان کے دل میں کم ہو جاتا ہے؛ اس لیے اصلاحی کوششیں تو ضرور کرنی چاہئے؛ لیکن اس کو ایسا موضوع نہیں بنا دینا چاہیے کہ جو نوجوان اس قسم کی بات سوچ رہے ہوں، گناہ کے ارتکاب میں اُن کی ہمت بڑھ جائے کہ جب قوم کے اتنے سارے لوگ اس میں مبتلا ہیں تو اگر میں بھی اس حمام میں اتر جاؤں تو کیا برا ہے؟

اسلام کا تصور یہ ہے کہ رشتۂ نکاح میں دونوں فریق کے درمیان زیادہ سے زیادہ ہم آہنگی ہونی چاہیے، یہ ہم آہنگی رشتوں کو پائیدار بناتی ہے، جو لوگ وقتی طور پر کسی پر دل پھینک دیتے ہیں اور اس بنیاد پر ازدواجی رشتہ سے بندھتے ہیں، عموماً ان کے درمیان تعلق میں استحکام باقی نہیں رہتا، ہم آہنگی کے لیے ایک ضروری شرط فکر و عقیدہ کی موافقت بھی ہے، سوچئے کہ اگر ایک شخص اللہ کو ایک مانتا ہو اور اللہ کے سوا کسی کے سامنے اپنی پیشانی رکھنے کو سب سے بڑا جرم تصور کرتا ہو، اس کی اس شخص کے ساتھ ۲۴ / گھنٹے کی زندگی میں کیسے موافقت ہوسکتی ہے، جو سینکڑوں مخلوقات کا پجاری ہو، جب دونوں کے مذہبی تہوار آئیں گے تو اگر وہ اپنے نظریہ میں سنجیدہ اور سچا ہو تو کیا ان کے درمیان نزاع پیدا نہیں ہوگی؟ جب اولاد کی تعلیم و تربیت اور ان کی مذہبی وابستگی کا مسئلہ آئے گا تو کیا آپس میں کھینچ تان کی نوبت نہیں آئے گی؟ یقیناً آئے گی؛ اسی لیے اسلام میں جو چیزیں نکاح میں رکاوٹ مانی گئی ہیں، جن کو فقہ کی اصطلاح میں ''موانع نکاح'' کہا جاتا ہے، ان میں ایک اختلاف دین بھی ہے۔

اگر گہرائی کے ساتھ غور کیا جائے تو غیر مسلم لڑکوں کے ساتھ شادی کے واقعات کے بظاہر چار بنیادی اسباب ہیں، اول: شادی کی فضول خرچیاں، دوسرے: مسلمان لڑکوں کی تعلیمی پسماندگی،

تیسرے: مخلوط تعلیم، چوتھے: مخلوط ماحول کی ملازمت۔ شادی میں فضول خرچی اس درجہ بڑھ گئی ہے کہ اب عام لوگوں کی شادیاں پرانے نوابوں اور راجاؤں کی شادیوں میں ہونے والے ترک و احتشام کو بھی مات کررہی ہیں، دولت مند طبقوں نے اس کو اپنی مالی فراوانی کے مظاہرہ کا ذریعہ بنالیا ہے، درمیانی طبقہ اس کی وجہ سے بعض اوقات در و دیوار تک بیچنے پر مجبور ہوجاتا ہے اور کمزور طبقہ اگر دین سے بے بہرہ ہو تو چاہتا ہے کہ کسی طرح اپنے جگر گوشہ کے بوجھ سے نجات پاجائے، خواہ وہ کسی مسلمان کے گھر میں جائے یا غیر مسلم کے، جب تک معاشرہ کے دولت مند لوگ سادگی کو اختیار نہ کریں گے، اس صورت حال میں کسی تبدیلی کا امکان نہیں، اس کے لیے ضروری ہے کہ جیسے قدرتی آفات کے مواقع پر مدد اور بچاؤ کی مہم شروع کی جاتی ہے، اسی طرح نکاح میں سادگی پیدا کرنے کے لیے علماء و مشائخ، سماجی و سیاسی رہنما، صحافی اور اہل علم و دانش، مذہبی تنظیموں اور جماعتوں کے کارکنان ایک مہم چلائیں اور گھر گھر دستک دے کر انھیں سادہ طریقہ پر تقریب نکاح انجام دینے کی دعوت دیں۔

تعلیمی صورت حال یہ ہے کہ لڑکیاں تعلیم میں آگے بڑھتی جاتی ہیں اور لگتا ہے کہ لڑکوں نے پیچھے کی طرف اپنا سفر شروع کررکھا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تعلیم یافتہ لڑکیوں کو ان کے جوڑ کے لڑکے میسر نہیں ہوتے، موجودہ حالات میں لڑکیوں کو اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ تعلیم کو ترک کردیں، بالخصوص ان حالات میں کہ زندگی کے تمام شعبوں میں خواتین کے لیے ۵۰ فیصد حصہ داری کی کوشش کی جارہی ہے، ان حالات میں اگر مسلمان لڑکیاں تعلیم ترک کردیں تو ۵۰ سیٹیں بغیر کسی جد وجہد کے دوسروں کے ہاتھ میں چلی جائیں گی، اور پھر حصول تعلیم میں جو مسابقت جاری ہے، خاص کر لڑکیوں کو جو سہولت دی جارہی ہے، اس کے بعد اس سلسلہ میں آپ کی نصیحت نتیجہ خیز بھی نہیں ہوسکتی؛ اس لیے لڑکوں میں یہ مزاج پیدا کرنا ہوگا کہ وہ تعلیمی جد وجہد میں اپنے قدم آگے بڑھائیں، اگر ہر مسلمان گھر میں یہ فکر جاگ جائے تو اس کی نوبت نہیں آئے گی کہ تعلیم یافتہ نوجوان لڑکیوں کو ان کے جوڑ کا رشتہ نہیں مل پائے، دوسری طرف تعلیم یافتہ لڑکیوں کی ذہنی اور فکری تربیت کرنے کی ضرورت ہے کہ ایک مسلمان کے لیے اصل وجہ افتخار اس کا صاحب ایمان ہونا ہے، نہ کہ اس کا زیادہ تعلیم یافتہ اور اونچے ذریعہ معاش کا حامل ہونا؛ کیوں کہ تعلیم اور دولت کی کوئی نہایت نہیں، ایمان اس سے بھی قیمتی جوہر ہے، کسی مسلمان لڑکی کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی عار کی بات نہیں ہوسکتی کہ اس نے ایمان سے محروم شخص کو اپنا رفیق زندگی بنا رکھا ہو۔

ان واقعات کا تیسرا سبب 'مخلوط تعلیم' ہے، لڑکوں اور لڑکیوں کا اختلاط نہ صرف اخلاقی اعتبار سے نقصاندہ ہے؛ بلکہ تدریسی نفسیات کے اعتبار سے بھی مضر ہے، مگر افسوس کہ مسلمانوں کے زیر انتظام جو درسگاہیں قائم ہیں، ان میں بھی بڑے فخر کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ یہاں 'کو ایجوکیشن' (مخلوط تعلیم) ہے، مخلوط تعلیم کا یہ نظام نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ پورے ہندوستانی سماج کو غیر معمولی اخلاقی نقصان پہنچا رہا ہے؛ اس لیے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے کم سے کم جونیئر کالج کی سطح تک زیادہ سے زیادہ الگ الگ درسگاہیں قائم کریں اور پیشہ وارانہ تعلیم کے کالجوں میں اگر جداگانہ درسگاہوں کا قیام دشوار ہو تو کم سے کم کلاس روم میں ایسی عارضی دیواریں رکھی جائیں، جو لڑکوں اور لڑکیوں کی نشست گاہوں کو الگ رکھتی ہوں، نیز مسلم علاقوں میں گورنمنٹ سے گرلس اسکول اور گرلس کالج قائم کرانے کی کوششیں کی جائیں، اللہ کا شکر ہے کہ اس وقت ملک کے اکثر چھوٹے بڑے شہروں میں مسلمان تعلیمی ادارے قائم کررہے ہیں، اگر تمام مسلمان طے کرلیں کہ وہ پرائمری اسکول کی سطح سے اوپر لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے الگ الگ درسگاہوں کا نظم کریں گے تو اندازہ ہے کہ ۵۰ر فیصد مسلمان طلبہ و طالبات ان شاء اللہ مخلوط تعلیم کی برائیوں سے بچ جائیں گے۔

ایسے ناخوشگوار واقعہ کا چوتھا سبب مسلمان لڑکیوں کا مخلوط ماحول میں بالخصوص کال سینٹروں میں ملازمت کرنا ہے، جو لڑکے اور لڑکیاں کال سینٹروں میں ملازمت کرتے ہیں، اکثر وہ رات کے وقت ایک ہی ٹیکسی میں سفر کرکے اپنے دفتر پہنچتے ہیں، ان کی رات ایک دوسرے کے ساتھ تنہائی میں گزرتی ہے، آپس میں مستقل طور پر گفتگو کی اور ساتھ کھانے پینے کی نوبت آتی ہے، اس طرح جوان لڑکوں اور لڑکیوں کا ایک ساتھ مل کر کام کرنا آگ اور پٹرول کو ایک جگہ جمع کرنا ہے؛ اس لیے ماں باپ اور گارجین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس معاملہ میں پوری احتیاط سے کام لیں، لڑکیوں کو ایسی ملازمت کی اجازت نہیں دیں اور اپنے بچوں کی تربیت کریں۔

گو ایسے ناخوشگوار حالات کے لیے اور بھی اسباب ہیں؛ لیکن وہ اکا دکا واقعات کا سبب بنتے ہیں، یہ چار اسباب زیادہ اہم ہیں، اور ضروری ہے کہ مسلمان اس پر توجہ دیں اور اُمت کے ارباب حل و عقد پوری سنجیدگی کے ساتھ اس ناگفتہ صورت حال پر غور کریں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آج کی غفلت کل کے سیلاب کا پیش خیمہ بن جائے اور پھر اس پر بند باندھنا ممکن نہ رہے!!!

☆☆☆☆☆

یاد رفتگاں

علامہ یوسف القرضاوی کی رحلت

مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی

علامہ یوسف القرضاوی کی وفات امت اسلامیہ کے لیے بڑا حادثہ ہے، اس وقت ان کی شخصیت پورے عالم اسلام کے لیے ایک عظیم نعمت تھی، ان کی جرأت ایمانی، ان کے علم کی گہرائی، ان کے فکر کی وسعت وآفاقیت، امت کے لیے ان کا درد اور پھر اللہ کے لیے ان کی قربانیاں، ان کی زندگی کی شہ سرخیاں ہیں، انہوں نے ایک طویل عمر پائی اور چھیانوے سال کی عمر میں وہ اس عالم فانی سے رخصت ہوئے، لیکن اخیر تک وہ دعوت کے امین بن کر رہے اور اسلام کی ترجمانی کرتے ہوئے جان دی۔

علامہ نے اس وقت کے ازہر میں تعلیم حاصل کی، جب وہاں اساطین علم وادب موجود تھے، انہوں نے ان سے فائدہ اٹھایا، لیکن شیخ محمد الغزالی سے وہ سب سے زیادہ قریب رہے اور ان سے بھرپور استفادہ کیا، وہ اخوان کے ترجمان رہے اور اس سلسلہ میں ان کو بڑی قربانیوں سے گذرنا پڑا، جن کو انہوں نے ایمانی قوت اور پوری بشاشت کے ساتھ برداشت کیا، یہ واقعہ راقم نے خود ان سے سنا کہ جیل میں ان کے گھٹنوں پر دہی ڈال دیا جاتا تھا، پھر کتوں سے اس کو چٹوایا جاتا تھا، جس کے نتیجہ میں ان کے گھٹنوں میں مسلسل تکلیف رہنے لگی، اس کے علاوہ سخت سے سخت اذیتیں دی گئیں، پھر اللہ نے اس مشکل سے نکالا اور انہوں نے مصر سے ہجرت کی اور اخیر میں ایک طویل دور قطر میں گذارا۔

ان کا مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے بڑا گہرا تعلق تھا جو ان کے مضامین اور تقریروں سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔

حضرت مولاناؒ جب ۱۹۵۱ء میں مصر تشریف لے گئے تو اس وقت علامہ ازہر میں زیر تعلیم تھے، وہاں کے جو طلبہ حضرت مولانا سے بہت مانوس ہوئے ان میں علامہ قرضاوی بھی تھے، ان کے اس وقت کے رفقاء میں شیخ امین سراج بھی تھے جو بعد میں ترکی میں مسجد الفاتح کے خطیب ہوئے، حضرت مولانا نے ان کو چلتے وقت وصیت کے طور پر کہا تھا کہ وہ ترکی میں مکاتب قائم کریں، انہوں نے اس کی کوشش کی، جس کے نتائج آج سامنے ہیں، حضرت مولاناؒ سے راقم نے سنا کہ ایک مرتبہ وہاں کے قیام میں کچھ طلبہ آئے، ان کے سامنے "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" کا ذکر ہوا، تو انہوں نے لاعلمی ظاہر کی، حضرت فرماتے ہیں کہ ہمارے منہ سے نکلا "جس نے ماذا خسر نہیں پڑھی وہ پڑھا لکھا آدمی نہیں سمجھا جاتا، بعد میں ندامت ہوئی کہ ہم نے یہ کیا کہہ دیا!" اتفاق سے اس کے بعد قرضاوی صاحب سے ملاقات ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ ہمارے یہاں مشہور ہے کہ جس نے "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" نہیں پڑھی وہ پڑھا لکھا آدمی نہیں سمجھا جاتا۔

علامہ کا یہ تعلق اخیر تک قائم رہا، حضرت کا وفات سے تین چار سال پہلے قطر کا سفر ہوا، علامہ نے حضرت کا پروگرام اپنی مسجد میں رکھا جس میں حضرت کی تاریخی تقریر ہوئی، جو "قیمة الأمة الاسلامية بين الأمم ودورها في العالم" کے عنوان سے چھپی، تقریر سے پہلے قرضاوی صاحب نے حضرت مولانا کا بڑے بلیغ انداز میں تعارف کرایا، جس سے ان کی آخری درجہ کی محبت وعقیدت جھلکتی ہے۔

حضرت مولانا کی وفات کے بعد وہ تعزیت کے لیے لکھنؤ تشریف لائے اور رائے بریلی میں حضرت کے مرقد پر بھی حاضر ہوئے، یہاں کے مدارس بھی دیکھے اور حضرت سے اپنے خصوصی تعلق واستفادہ کا ذکر کیا اور حضرت پر مستقل ایک کتاب بھی "الشيخ أبو الحسن الندوي كما عرفته" کے نام سے تصنیف کی جس میں کھل کر حضرت کے علم وفضل کا اعتراف کیا۔ اس سے پہلے کئی مرتبہ لکھنؤ ان کی تشریف آوری ہوئی، مہرجان تعلیمی میں وہ شریک تھے اور حضرت مولانا نے اپنی وفات سے چند سال پہلے ندوۃ العلماء میں محاضرات کے لیے ان کو دعوت دی، وہ ایک ہفتہ کے لیے تشریف لائے اور روزانہ مختلف موضوعات پر ان کے محاضرات ہوتے رہے، اکثر محاضرات میں حضرت مولانا خود بھی شریک ہوئے۔

وہ اس دور میں امت کے لیے بڑا سرمایہ تھے، اخیر تک وہ امت کو فائدہ پہنچاتے رہے، ان کی محققانہ وفاضلانہ تصنیفات قیمتی سرمایہ ہیں، جن سے امت فائدہ اٹھاتی رہے گی، ان کی وفات امت کے لیے بڑا خسارہ ہے، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کا نعم البدل امت کو عطا کرے، آمین۔

☆☆☆☆☆

راہِ عمل

بشریت کی نجات کے لیے نسخۂ کامل

مولانا محمد طارق نعمان

اسلامی مہینوں کے اعتبار سے یہ مہینہ ربیع الاول کہلاتا ہے، اس مہینہ کو یہ فضیلت اور اعزاز حاصل ہے کہ اس میں محسن انسانیت، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی، عربی زبان میں ربیع بہار کو کہتے ہیں، بہار جب آتی ہے غنچے چٹکتے ہیں، پھول کھلتے ہیں، کلیاں مسکراتی ہیں، سبزہ زار مہک اٹھتے ہیں، پرندے چہچہاتے ہیں، بہار کی آمد سے دل ودماغ معطر ہوجاتے ہیں اور ہر طرف ایک کیف ومستی اور سرور کا عالم ہوتا ہے، آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے عرب کی ویران وادی میں بہار آئی تھی، بی بی آمنہ کے گھر کے آنگن میں ایک صدا بہار پھول کھلا تھا جس کی مہک سے ساری کائنات معطر ہوگئی تھی، دلوں کے خلوت کدے روشن ہوگئے تھے، تھکی ماندی انسانیت کو شادمانی نصیب ہوئی، نسلِ آدم کا وقار بلند ہوا، شرف انسانی کو معراج نصیب ہوئی، عظمت انسانی کو سربلندی ملی، خاک کے ذروں کو حیات نو ملی، یہ آنے والی بہار اور اس میں کھلنے والا پھول حسنِ ازل کی تجلی خاص اور جانِ کائنات فخرِ موجودات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے بہار ہی بہار آئی۔

اس مبارک ماہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت بھی ہوئی اور اسی ماہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوئے جو اس دنیا والوں کے لیے سب سے بڑا حادثہ رہا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے قبل ساری دنیا میں عموماً اور عرب علاقوں میں خصوصاً جہالت کی انتہا تھی اور عرب لوگ اپنی بچیوں کو زندہ درگور کردیتے تھے، اس بات پر کہ ایک قبیلے کا اونٹ دوسرے قبیلے کے اونٹ سے پہلے تالاب سے پانی پی لیتا، دو قبائل میں کئی سال تک جنگ جاری رہتی، ایسے کفر وجہالت کے دور میں اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ کے ۶۳ رسال اور نبوت کے عہدے پر سرفراز ہونے کے صرف ۲۳ رسال میں اللہ کے فضل سے ایسی محنت کی کہ اپنی بچیوں کو زندہ دفن کردینے والی جاہل قوم ایسی باکردار ہوگئی کہ بچیوں کی پیدائش پہ خوشی کا اظہار کرتی اور ان کے مان پورے کرنا اپنا حق سمجھنے لگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم منصف اعظم تھے، آپ کے وصال کے بعد انصاف کا یہ عالم کہ حضرت عمر کے دور میں شیر اور بکری ایک گھاٹ سے پانی پیتے تھے اور شیر میں یہ مجال نہیں تھی کہ وہ بکری پر حملہ کرتا۔

جب حضرت عمرؓ کا انتقال ہوا تو آپ کی سلطنت کے دور دراز علاقے کا ایک چرواہا بھاگتا ہوا آیا اور چیخ کر بولا:

لوگو! حضرت عمرؓ کا انتقال ہوگیا ہے، لوگوں نے حیرت سے پوچھا کہ تم مدینہ سے ہزاروں میل دور جنگل میں ہو، تمہیں اس سانحہ کی اطلاع کس نے دی؟

چرواہا بولا! جب تک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ زندہ تھے میری بھیڑیں جنگل میں بے خوف پھرتی تھیں اور کوئی درندہ ان کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتا تھا لیکن آج پہلی بار ایک بھیڑیا میری بھیڑ کا بچہ اٹھا کر لے گیا، میں نے بھیڑیے کی جرأت سے جان لیا، آج دنیا میں عمر فاروقؓ موجود نہیں ہیں چنانچہ ان لوگوں نے جب تحقیق کی تو پتہ چلا کہ اسی روز حضرت عمرؓ کا انتقال ہوا ہے۔

اندھیری رات میں ماں بچی سے کہتی کہ دودھ میں پانی ملادے خلیفہ تو نہیں دیکھ رہے ہیں تو ایمان کی طاقت سے سرشار بچی کہتی ہے کہ ماں امیر المؤمنین نہ دیکھیں تو کیا ہوا میرا تمہارا اور امیر المومنین کا رب تو ہمیں دیکھ رہا ہے، اور میں کیسے دودھ میں پانی ملانے والا دھوکے کا کام کرسکتی ہوں:

یہ سب رعنائیاں تھیں اک وجود پاک کی خاطر
یہ نقش آرائیاں تھیں سید لولاک کی خاطر

یہ وہ حالات تھے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے بعد عام مسلمانوں اور امراء کے تھے لیکن زمانہ گذرنے کے ساتھ شیطان نے اپنا کام کرنا شروع کردیا، لوگ دین اور اسلام کی تعلیمات سے دور ہونے لگے، اور مسلمان جن کی آدھی دنیا پر حکومت تھی، آہستہ آہستہ زوال پذیر ہونے لگے، ایسے زوال آمادہ دور میں مسلمانوں کی دنیاوی اور اخروی کامیابی کا واحد حل یہی ہے کہ وہ مخبر صادق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو اپنی زندگی میں لائیں، اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں اور کفر والحاد ترک کریں لیکن دنیا اور مادہ پرستی کی دعوت اس قدر عام ہے کہ دین غالب ہونے کے بجائے مغلوب ہورہا ہے، مسلمان کو پتہ ہی نہیں کہ اس کی پیدائش سے

موت تک زندگی کے ہر موڑ اور ہر منزل پر اللہ کا حکم کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک طریقہ کیا ہے۔ اللہ نے قران کریم کی قیامت تک حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کرم اور فضل کیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلوت اور جلوت غرض زندگی کے ہر پہلو کو سیرت پاک اور سنت نبویؐ کے طریقوں کو قران و حدیث میں محفوظ کر دیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کے کئی پہلو ہیں جن کا اعادہ اس ماہ میں خصوصیت سے اور زندگی بھر حسب ضرورت ہونا ضروری ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ سماجی زندگی, گھریلو زندگی ازواج مطہرات کے ساتھ روابط سیاسی زندگی دین اسلام کی دعوت غزوات کے دوران عمل کفار کے ساتھ طرز عمل طب نبوی اور پیدائش سے لے کر موت تک انسانی زندگی کے ہر پہلو پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک انسانوں کے لئے مشعل راہ ہے۔

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اوراک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا
وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کا ایک روشن ستارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک اخلاق ہیں، سورہ قلم میں اللہ پاک کا ارشاد ہے کہ: "و انك لعلى خلق عظيم" (اور آپؐ کے اخلاق بہت اعلیٰ ہیں) سارا قران ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق ہے، انسانی زندگی عمل سے عبارت ہے، انفرادی طور پر انسان کی سیرت اس کے اخلاق و کردار سے ظاہر ہوتی ہے اور اجتماعی طور پر معاشرت تہذیب و تمدن اور بین الاقوامی تعلقات کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے، زندگی کے ان انفرادی اور اجتماعی دو دائروں میں اگر زندگی مثالی گذرے تو وہ اللہ کی مرضی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کے مطابق ہوگی اور اللہ کے ہاں پسندیدہ ہوگی۔

دنیا کے انسانوں کو مثالی شخصیت کی تلاش تھی اور وہ مثالی شخصیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کے اخلاق سب سے افضل و اعلیٰ ہیں جنہوں نے انسانیت کی اعلیٰ و ارفع مثالیں پیش کیں، ایک خاتون مسلسل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر کچرا ڈالتی تھی، اس خاتون سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہتر معاملہ فرمایا تو وہ قبولیت اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئی:

وہ پتھر مارنے والوں کو دیتے ہیں دعا اکثر
کوئی لاؤ مثال ایسی شرافت ہو تو ایسی ہو

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سراپا اعلیٰ اخلاق و کردار کی مالک تھی اور اس روئے زمین پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی اور نے بہتر انسانی اخلاق کی مثال پیش نہیں کی، واقعہ معراج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں چمکتا ایک درخشاں ستارہ ہے، اس واقعہ کی تصدیق پر حضرت ابوبکرؓ کو صدیق کا لقب ملا، قرآن شریف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا عظیم معجزہ ہے جو قیامت تک باقی رہے گا، دیگر انبیاء علیہ السلام کو ملنے والے معجزے ان کی حیات میں رہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ قران کریم قیامت تک باقی رہے گا۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اہم پہلو معاشرتی اور تمدنی زندگی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح کر دیا کہ نکاح سنت ہے اس سنت کو اپنی عفت کو بچانے اور نسل انسانی کو بڑھانے کے لیے اختیار کیا جائے، اگر کسی میں نکاح کی گنجائش نہ ہو تو اس سے کہا گیا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روزے رکھا کرے تاکہ اس کی نفسانی خواہشات پر قابو پایا جا سکے، نکاح کے لیے لڑکی میں دینداری اور حسب نسب دیکھنے کے لیے کہا گیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ نکاح کو آسان بناؤ تاکہ زنا مشکل ہو جائے، شادی کے ایک مقصد جیسا کہ کہا گیا حصول اولاد ہے، چنانچہ بچوں کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ جب بچہ پیدا ہو تو اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کے کلمات کہے جائیں، ساتویں دن بچے کا عقیقہ کیا جائے، بال صاف کیے جائیں اور اس کا اچھا سا اسلامی نام رکھا جائے، لڑکا ہو تو اس کا ختنہ کیا جائے، بچہ جب بات کرنے لگے تو اسے پہلے کلمہ سکھایا جائے، جب اس کی تعلیم کا مرحلہ در پیش ہو تو اس کی دینی تعلیم کا اہتمام کیا جائے، دنیاوی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم لازمی ہے، بچہ جب سات سال کا ہو تو اسے نماز کی ترغیب دی جائے اور جب وہ بالغ ہو تو اس پر نماز کے لیے سختی کی جائے، اس کی بہتر تربیت کی جائے، اللہ کے رسول نے جوان بچوں کا جلد نکاح کر دینے کی ترغیب دی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ مسلمانوں کو تین کاموں میں جلدی کرنی چاہیے، ایک جب نماز کا وقت ہو تو فوری نماز ادا کی جائے، دوسرے جب اولاد جوان ہو تو اس کی فوراً شادی کی جائے، تیسرے جب کسی کی موت واقع ہو تو اسے فوری دفن کرنے کا اہتمام کیا جائے، اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو کھانے پینے لباس.....

.....بقیہ صفحہ ۳۲ پر

تحریکِ ندوہ

ندوۃ العلماء اور انگریزی زبان

ڈاکٹر عبید الرحمٰن ندوی

۱۸۵۷ء کا غدر ہندوستانیوں کے لیے خاص طور پر مسلمانوں کے لیے اہم موڑ تھا، سیاسی اقتدار ان کے ہاتھوں سے انگریزوں کو منتقل ہونے کی وجہ سے وہ زیادہ متاثر ہوئے، ۱۸۶۶ء میں مولانا محمد قاسم نانا توی اور ان کے روشن خیال دوستوں نے دارالعلوم دیوبند قائم کیا تاکہ اسلام کو انگریزوں کے حملے سے بچایا جا سکے اور ۱۸۵۷ء میں جو کچھ انہوں نے کھویا اس کی تلافی کے لیے انہیں تیار کیا جائے، دارالعلوم کا نصاب قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ اور اصول فقہ پر مشتمل تھا، اس کے نصاب میں جدید موضوعات کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

۱۸۵۷ء میں سرسید احمد خان نے سماجی علوم اور خالص علوم کی تعلیم دینے کے لیے مدرسۃ العلوم (محمڈن اینگلو اورینٹل کالج علی گڑھ) کی بنیاد رکھی، جبکہ دیوبند نے علمائے اسلام کو آگے بڑھانا شروع کیا، علی گڑھ اسکول نے انگریزی اور دیگر جدید مضامین کے اسکالرز نکالنے میں مدد کی، علم کے دو مختلف دھاروں نے مسلم معاشرے میں ایک سنگین صورتحال پیدا کر دی، دیوبند کے علماء نے علی گڑھ کے اسکول کے فارغین کو بدنام کرنا شروع کر دیا اور اس صورت حال میں علی گڑھ نے علماء کو بنیاد پرست اور تاریک فہم کے طور پر دیکھا۔

اس صورت حال سے نمٹنے اور اس کا علاج تلاش کرنے کے لیے کچھ مسلمان دانشوروں نے ایک ایسا ادارہ قائم کرنے کا سوچا جو علم کے دونوں دھاروں کی حاجت پورا کر سکے، اس مقصد کے پیش نظر مولانا محمد علی مونگیری، مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی، مولانا محمود الحسن، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا لطف اللہ علی گڑھی، مولانا سلیمان پھلواروی نے ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۲ء میں کانپور میں اجتماع کیا اور ندوۃ العلماء کی بنیاد رکھی، مولانا سید محمد علی مونگیری اس کے پہلے ناظم منتخب ہوئے، ان کا خیال تھا کہ جدید تعلیم اور روایتی تعلیم کو ساتھ ساتھ پڑھنا ہوگا، اس کے علاوہ مدارس کے نصاب میں بھی اصلاح کی ضرورت ہے۔

ہندوستان اور بیرونی ممالک میں ندوۃ العلماء کی وسیع پیمانے پر شہرت کے بعد اس کا پہلا اجلاس ۲۲، ۳۲، ۲۴/ اپریل ۱۸۹۴ء کو مدرسہ فیض عام کانپور میں منعقد ہوا، اپنے اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے تقریباً تمام فرقوں اور گروہوں کے مسلمانوں نے اجلاس میں شرکت کی، واضح رہے کہ ندوہ کا ہیڈ آفس ۱۸۹۷ء/ ۱۳۱۵ھ تک کانپور میں تھا اور ۲/ ستمبر ۱۸۹۸ء کو اسے لکھنؤ منتقل کر دیا گیا۔

مدارس کے نصاب تعلیم میں اصلاح ندوۃ العلماء کے اہم مقاصد میں سے ایک ہے، اس نے مدارس کے نصاب کو بہتر بنانے میں نمایاں کردار ادا کیا، ہر اجلاس، ہر تقریر اور ندوہ کے ہر رسالہ میں جدید نصاب پر بہت زور دیا جاتا تھا، ندوۃ العلماء کے اراکین نے محسوس کیا اور تجربہ کیا کہ نئے دارالعلوم کے قیام کے بغیر اصلاح شدہ نصاب متعارف کرانا ناممکن ہے، چنانچہ انہوں نے خاتون منزل، گولا گنج، لکھنؤ میں دارالعلوم قائم کیا ۲۶/ ستمبر ۱۸۹۸ء سے ابتدائی درجات کا آغاز ہوا، علامہ شبلی کی دعوت پر سر آغا خان نے ندوۃ العلماء کے اجلاس میں شرکت کی جو ۳/ فروری ۱۹۱۰ء کو دارالعلوم کے نامکمل مرکزی ہال میں منعقد ہوا، 'المنار' کے مدیر علامہ رشید رضا کا بھی ۶/ اپریل ۱۹۱۲ء کو اسی ہال میں استقبال کیا گیا، ۱۹۱۴ء میں دارالعلوم کو خاتون منزل سے اس نامکمل عمارت میں منتقل کیا گیا۔

دارالعلوم کا آغاز ہو گیا، اس میں مذہبی موضوعات کے ساتھ جدید موضوعات بھی متعارف کرائے گئے، اس کی شہرت نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرون ممالک میں بھی بہت کم وقت میں پھیل گئی، ندوۃ العلماء کے بانی ارکان نے ندوہ کے قیام، اس کی ترقی و خوشحالی میں تعمیری کردار ادا کیا، اس کے علاوہ، انہوں نے اس مجلس کے ذریعے مختلف گروہوں کے مابین اختلافات کو کم کرنے اور معاشرے میں امن بحال کرنے کی پوری کوشش کی۔

ندوۃ العلماء کے بنیادی اہداف و مقاصد

۱- مدارس کے نصاب میں بنیادی اور دوررس اصلاحات کرنا اور اسلامی اصولوں اور شریعت کی روشنی میں ایسا خاکہ تیار کرنا جو کہ آج کی ضرورت کو پورا کر سکے۔

۲- ایسے علماء پیدا کرنا جو قرآن و سنت کی تعلیم سے واقف ہوں اور جدید افکار و نظریات سے آگاہی پیدا کریں، اس کے علاوہ وہ وقت کے ساتھ رفتار برقرار رکھ سکتے ہوں اور معاشرے کی نبض کو محسوس کر سکتے ہوں۔

۳- مسلمانوں کے درمیان موجود اختلافات کو کم کر کے اور اسلامی بھائی چارہ کے جذبات کو پروان چڑھا کر متحد کرنا۔

۴- اسلام کی تعلیمات کو عام کرنا بالخصوص ملک کے لوگوں کو اس کی خوبیوں اور اقدار سے آشنا کرنا۔

ادار یہ

جو رہی خودی تو شاہی، نہ رہی تو روسیاہی

شمس الحق ندوی

ہم مسلمان ماہ ربیع الاول کی مناسبت سے یوم میلا دالنبیؐ کے جلسوں میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ، زہد وتقویٰ، ایثار وقربانی، جود وسخا، یتیموں، بیواؤں اور عام فقراء ومساکین کے ساتھ اچھے برتاؤ کی تعلیمات، آپؐ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کی عملی مثالوں کے حیرت انگیز واقعات سنتے ہیں، اوران پر فخر بھی کرتے ہیں کہ یہ ہیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اوران کی عملی مثالیں۔

نعتیہ مشاعروں میں کس محبت وفدائیت کا مظاہرہ کرتے ہیں، یہاں تک کہہ جاتے ہیں کہ:

اگر یہ زندگی سو بار جا جا کر پلٹ آئے
تو میں صدقہ کروں تم پر کبھی دل کو کبھی جاں کو

لیکن جب ہم اپنی عملی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو افسوس ناک صورت حال نظر آتی ہے، ذرا ہم سنجیدگی سے غور کریں اور دیکھیں کہ نماز جیسا اہم رکن جس کے چھوڑنے پر بہت سخت وعیدیں آئی ہیں، ہم میں کتنے فیصد نمازی پائے جاتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز چھوڑنا تو بڑی بات ہے، جماعت چھوڑنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ: ''میرا جی چاہتا ہے کہ کسی کو امام بنادوں، اور جماعت ترک کرنے والوں کے گھروں پر جا کر ان کے گھروں میں آگ لگادوں''۔

قرآن مجید تو صاف صاف اعلان کرتا ہے کہ نماز تو بے حیائی کی باتوں اور تمام قسم کے ناپسندیدہ کاموں سے روکتی ہے: ''اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ'' (عنکبوت: ۴۵) نماز باجماعت کے فضائل تو بہت ہیں، اس کا جو ظاہری منظر ہوتا ہے اور اس سے جس مساوات کا مظاہرہ ہوتا ہے:

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

وہ دلوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے، بہت سے لوگ تو نماز کے اس منظر کو دیکھ کر ہی ایمان لائے، مالک وخالق کائنات کو اپنا رب اور معبود ماننے کا اور اس کے سامنے سر جھکانے کا وہ منظر ہوتا ہے جو رات دن میں پانچ مرتبہ پیش کیا جاتا ہے، ہم مسلمان، اپنے بے نمازیوں کو نمازی بنانے کی فکر وکوششیں کریں تو ہماری بستیوں میں وہ خیر وبرکت اور انوار نظر آئیں جو اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور احکام شریعت پر عمل کرنے کو آسان بنادیں، ہمارے اندر اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک اور اچھے برتاؤ کی وہ فضا قائم ہو، جو جھوٹ، فریب اور بدمعاملگی کے ماحول کو ختم کرے، جب پڑوسی کے ساتھ یہ معاملہ ہو اور ایسا ماحول بنے تو صلہ رحمی اور اقربا نوازی، والدین کے حقوق، بھائی بہنوں کے حقوق کا ایسا دور دورہ ہو کہ ایک دوسرے سے محبت وحسن اخلاق کا وہ منظر سامنے آنے لگے جس کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بعثت لأ تمم مکارم الأخلاق'' کہ مجھے اس لیے مبعوث فرمایا گیا ہے کہ اچھے اخلاق کے تمام پہلوؤں کو مکمل کروں، خود مالک حقیقی نے فرمایا: '' اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ '' [سورہ قلم: ۴] (اور اخلاق تمہارے بہت عالی ہیں)، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کتاب نازل ہوئی اور جن تعلیمات ربانی کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عملی مثال تھے حتی کہ جب ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: '' کان خلقه القرآن''. (آپؐ کے اخلاق قرآن کریم کی عملی مثال تھے)۔

اب ہم سوچیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم امتیوں کی کن باتوں سے خوش ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کرنے سے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک طریقہ اور چلن کو اپنانے سے، مالک حقیقی کی مرضیات پر اپنے آپ کو ڈال دینے سے؟ یا رسوم ورواج، ریاکاری ونمائش سے، دوسروں کی حق تلفی اور دل دکھانے سے؟ اس وقت ہم مسلمانوں کا عام حال کیا ہو رہا ہے، کیا ہم میں سے اکثریت کی زندگی اس طرح نہیں گزر رہی ہے کہ اسلام بدنام ہو اور یہ صورت حال دوسروں کے لیے اسلام کو پسند کرنے اور قبول کرنے میں رکاوٹ بن رہی ہے؟! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور عملی زندگی اس امت کا سرمایۂ حیات

ہے، کیا ہم اس سے الگ رہ کر اپنے امتی ہونے کا حق ادا کر سکتے ہیں؟ اس امت مسلمہ کا عمومی حال یہ ہو رہا ہے کہ حیات چند روزہ ہی کی فکر میں مسلمان لگا رہتا ہے، اور ایک روٹی کے لیے سو انسانوں کی خوشامد کرتا ہے، یہ امت تو امت دعوت ہے، انسانوں کی صلاح وفلاح کی داعی ہے، اب اگر وہ بھی انھیں میں شامل ہو جائے اور اپنے مقام بلند سے نیچے اتر آئے تو پھر اس کا امتیاز اور اس کی خصوصیت کیوں کر باقی رہ سکتی ہے، اقبالؔ مرحوم نے اسی پس منظر میں کہا تھا:

یہ پیام دے گئی ہے مجھے باد صبح گاہی
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام پادشاہی
تری زندگی اسی سے، تری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی، نہ رہی تو روسیاہی

اس وقت امت مسلمہ ذلت ورسوائی کے جن حالات سے گزر رہی ہے، کیا اس کا سبب اس کے سوا کچھ اور ہے کہ وہ اپنے مقام سے نیچے گر گئی ہے؟ اور اس کی سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ وہ ان جاوداں تعلیمات سے اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عشق حقیقی سے محروم ہو گئی، جس میں اس کی زندگی کا راز پوشیدہ ہے، اقبالؔ مرحوم نے ہی بالکل صحیح کہا ہے:

شبے پیش خدا بگریستم زار
مسلماناں چرا زار ند و خوار اند
ندا آمد نمی دانی کہ ایں قوم
دلے دارند و محبوبے نہ دار ند

(ایک رات بارگاہ خداوندی میں، میں نے رو رو کر عرض کیا کہ میرے مولیٰ! مسلمان اس قدر کیوں ذلیل ورسوا ہیں؟ جواب ملا: تمہیں معلوم نہیں کہ یہ دل تو رکھتے ہیں مگر اپنا کوئی محبوب نہیں رکھتے) ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دل میں عشق ومحبت اور خدا پرستی کی جو آگ لگائی تھی وہ بجھ گئی ہے، وہ جو کبھی حق پرستی کا داعی اور دعوت توحید ورسالت کا شعلۂ جوالہ تھا، اب راکھ کا ڈھیر بن کر رہ گیا ہے، اقبالؔ ہی کے الفاظ ہیں:

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

اب اگر یہ امت بھی نفسی نفسی کی راہ پر لگ جائے اور اس کا نفس شیطان کی پیروی میں اتنا آگے بڑھ جائے کہ خدا بیزار اور خدا فراموش قوموں کی راہ اپنا لے، حقیقت کو حقیقت نہ سمجھے، اس سے منہ موڑ لے، اور یہ سمجھے کہ سوائے کھانے پینے کے اور کوئی کام نہیں، تو پھر اس کو عزت وسرخروئی کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟ کہنے والے نے بہت پہلے کہہ دیا کہ: "لن یصلح آخر هذه الأمة إلا بما صلح به أوله" (اس امت کا آخری حصہ (جو بگڑ چکا ہے) اسی چیز کو اپنا کر ٹھیک اور درست ہوگا جس کو اپنا کر اس کا اول کا حصہ درست ہوا تھا، اس حقیقت کو جانتے ہوئے بھی اس پر حبّ دنیا کا ایسا غلبہ ہے، اور اس پر اس کی زیب وزینت کا ایسا جادو چل گیا ہے کہ اس کی طبیعت ادھر چلتی ہی نہیں، وہ بزبان حال یہ کہہ کر اپنے ہی حال میں مگن ہے:

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

تو اس ذلت سے اس کو کون نکال سکتا ہے؟ کیا صرف تمناؤں اور آرزوؤں اور خیالی دنیا میں ہی رہ کر ہم اس پستی سے نکل سکتے ہیں؟ ضرورت ہے عمل کی، ضرورت ہے اپنے آقا کی چوکھٹ پر پیشانی ٹیک دینے اور اس کے چشم وابرو کے اشارے پر چلنے کی کہ:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

☆☆☆☆☆

پیام سیرت

تعلق مع اللہ اور خلق خدا سے سلوک

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اپنی رسالت، محبوبیت اور حسن انتخاب سے نوازا تھا، اور آپؐ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف فرمادیے تھے، آپؐ عبادت میں سب سے زیادہ کوشاں اور اس کے سب سے زیادہ شائق اور مشتاق تھے۔

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: ”ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز (نفل) میں اتنی دیر تک کھڑے رہے کہ آپؐ کے قدم مبارک پر ورم آگیا، عرض کیا گیا کہ آپؐ کے تو اگلے پچھلے گناہوں کی معافی ہوچکی ہے، یہ سن کر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ کیا میں خدا کا شکر گذار بندہ نہ بنوں“۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی ایک آیت میں پوری رات گزار دی“، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور ایک آیت میں صبح کردی“، وہ آیت یہ تھی: ”اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ“۔ [المائدہ:۱۱۸] (اگر تو ان کو عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں اور اگر معاف فرمادے تو تو غالب اور حکمت والا ہے)۔

حضرت عائشہؓ یہ بھی روایت فرماتی ہیں کہ: ”آپؐ جب روزے رکھتے تو اس کی کثرت دیکھ کر ہم لوگ کہتے کہ اب شاید آپؐ ہمیشہ روزہ ہی سے رہیں گے، جب روزہ سے نہ ہوتے تو ہم سوچتے کہ شاید اب آپؐ روزہ نہ رکھیں گے“۔

حضرت انسؓ راوی ہیں: ”اگر کوئی آپؐ کو قیام لیل میں مشغول دیکھنا چاہتا تو دیکھ سکتا تھا، اور اسی طرح نیند کی حالت میں دیکھنا چاہتا تو بھی دیکھ سکتا تھا“۔

عبداللہ بن الشخیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: ”میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے دیکھا کہ آپؐ نماز میں مصروف ہیں، اور گریہ کی وجہ سے آپؐ کے سینۂ مبارک سے ایسی آواز نکل رہی ہے، جیسے دیگچی اُبل رہی ہو“۔

آپؐ کو نماز کے سوا کسی اور چیز سے تسلی نہ ہوتی تھی، اور معلوم ہوتا تھا کہ نماز کے بعد بھی آپؐ نماز کے مشتاق اور منتظر ہیں، آپؐ ارشاد فرماتے تھے: ”جعل قرة عيني في الصلاة“ (میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے)۔

صحابہ کرامؓ کا بیان ہے کہ: ”جب کوئی پریشانی کی بات درپیش ہوتی تو آپؐ بے ساختہ نماز کی طرف متوجہ ہوجاتے“۔

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ: ”جب کبھی رات کو تیز ہوائیں چلتیں تو آپؐ مسجد میں پناہ لیتے یہاں تک کہ ہوا تھم جاتی، اگر فلک میں کوئی تغیر مثلاً سورج گرہن یا چاند گرہن رونما ہوتا تو آپؐ نماز کی طرف رجوع فرماتے اور اس سے پناہ حاصل کرتے یہاں تک کہ گرہن ختم ہوجاتا اور مطلع صاف ہوجاتا“، آپؐ نماز کے ہر وقت مشتاق رہتے، اور اس کے بغیر آپؐ کو اطمینان وسکون حاصل نہ ہوتا، اور جب تک نماز پڑھ نہ لیتے آپؐ کی بے کلی اور بے چینی برقرار رہتی، کبھی آپؐ اپنے مؤذن بلال رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرماتے: ”بلالؓ نماز کا اہتمام کرو، اور ہمارے سکون کا سامان کرو“۔

متاعِ دنیا کی حیثیت اور اس سے بے رغبتی

جہاں تک درہم ودینار اور دنیا کے مال ومتاع کا تعلق ہے، الفاظ کا بڑے سے بڑا ذخیرہ اور اعلیٰ درجہ کی قادر الکلامی بھی آپؐ کی نگاہ میں اس کی صحیح حیثیت کو پوری طرح بیان نہیں کرسکتی، اس لیے کہ آپؐ کے ایمانی اور ربانی مدرسہ کے بوریہ نشیں اور عرب وعجم میں ان کے شاگردوں کے شاگرد اور خوشہ چیں بھی درہم و دینار کو خزف ریزوں اور ٹھیکروں سے زیادہ وقعت نہیں دیتے تھے، اور ان کی زاہدانہ زندگی، متاع دنیا کی بے وقعتی دوسروں پر اپنا مال خرچ کرنے کا شوق اور ان کو اپنے اوپر ترجیح دینے کا ذوق، قدر کفاف پر قناعت، اور شان بے نیازی واستغناء کے جو واقعات تاریخی طور پر ثابت ہیں، ان سے عقل انسانی حیران ہوجاتی ہے، جب آپؐ کے غلاموں کے غلاموں کا یہ حال ہے تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ خود بدولت صلی اللہ علیہ و سلم جو ان سب کے امام ورہنما اور ہر خیر وصلاح اور فضیلت وتقویٰ میں ان کے مربی اور معلم تھے، ان کا حال اس معاملہ میں کیا ہوگا؟

اس لیے اس سلسلے میں ہم صرف ان چند روایات کا ذکر کرتے ہیں جو صحابۂ کرامؓ کی زبان سے ہم تک پہونچی ہیں، اس لیے کہ واقعات سے بڑھ کر کوئی چیز مؤثر نہیں، اور ان سے زیادہ صحیح اور بلیغ ترجمانی کسی عبارت آرائی سے نہیں ہوسکتی۔

آپ کا ماثور ومشہور قول جس پر آپ حرف بحرف عامل تھے، اور جو آپؐ کی پوری زندگی کا مرکزی نقطہ اور محور کہا جاسکتا ہے یہ ہے: ”اللّٰهم لا عيش الا عيش الآخرة“ (اے اللہ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے)۔

آپؐ فرمایا کرتے تھے: "مالی وللدنیا وما انا والدنیا الّا کراکب استظل تحت شجرۃ ثم راح وترکھا" (مجھے دنیا سے کیا سروکار، میرا دنیا سے واسطہ اتنا ہی ہے جیسے کوئی مسافر راہ میں تھوڑی دیر کے لیے کسی درخت کے سایہ میں دم لے لے پھر اپنی راہ لے اور اس کو چھوڑ کر چل دے)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپؐ کو ایک مرتبہ چٹائی پر اس حالت میں لیٹے ہوئے دیکھا کہ آپؐ کے پہلو میں اس کے نشانات پڑ گئے تھے، یہ منظر دیکھ کر ان کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں، آپؐ نے دریافت فرمایا: "کیا بات ہے؟" انھوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! آپ اللہ کی مخلوق میں سب سے برگزیدہ ہیں، اور عیش کسریٰ اور قیصر کر رہے ہیں، یہ سن کر آپؐ کا چہرہ سرخ ہوگیا، اور آپؐ نے فرمایا "ابن الخطاب! کیا تمہیں کچھ شک ہے" پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا "یہ وہ لوگ ہیں جن کو دنیا کی زندگی کے سارے مزے یہیں دیدیے گئے ہیں"۔

آپؐ وہ طرز معیشت یا وہ معیار زندگی نہ صرف اپنے لیے ناپسند فرماتے تھے بلکہ اپنے اہل بیت کے لیے بھی اس کے روادار نہ تھے، چنانچہ آپؐ کی دعا تھی: "اللّٰھم اجعل رزق آل محمد قوتاً" (اے اللہ! آل محمد کا رزق بقدر ضرورت ہو)، حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں: "قسم اس کی جس کے قبضے میں ابوہریرہ کی جان ہے، اللہ کے نبی اور ان کے اہل بیت کبھی متواتر تین دن گیہوں کی روٹی پیٹ بھر کر نہ کھا سکے، یہاں تک کہ اس دنیا سے پردہ فرمالیا"۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں: "ہم اہل بیت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک چاند گزر کر دوسرا چاند نظر آجاتا اور ہمارے گھر میں چولہا نہ جلتا، صرف کھجور اور پانی پر ہماری گذر بسر ہوتی تھی"۔

آپؐ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی، اور آپؐ کے پاس اتنا نہ تھا کہ آپؐ اس کو چھڑا سکتے، یہاں تک کہ اسی حال میں آپ کی وفات ہوگئی۔

آپؐ حجۃ الوداع اس حال میں کیا کہ حدنگاہ تک مسلمان نظر آرہے تھے، پورا جزیرۃ العرب آپؐ کے زیر نگیں تھا، اور کیفیت یہ تھی کہ آپؐ ایک نہایت خستہ حال کجاوہ پر تھے، آپؐ پر صرف ایک چادر پڑی ہوئی تھی، جس کی مالیت چار درہم سے زیادہ نہ تھی، اس وقت آپؐ نے فرمایا: "اے اللہ! اس کو ایسا حج بنا جس میں کوئی ریا اور شہرت طلبی نہ ہو"۔

حضرت ابوذرؓ سے آپؐ نے ایک موقع پر فرمایا: "مجھے یہ گوارا نہیں کہ میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو، اور تین دن گذر جائیں اور اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس باقی رہے، سوائے اس کے کہ کسی دینی کام کے لیے میں اس میں سے کچھ بچا رکھوں، ورنہ اللہ کے بندوں میں میں اس کو اس طرح اور اس طرح دائیں بائیں اور پیچھے لٹادوں"۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کا سوال کیا گیا ہو اور آپؐ نے اس کے جواب میں نہیں کہا ہو"، ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیاضی اور داد ودہش میں تیز ہوا سے زیادہ تیز رفتار تھے"۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ: "ایک شخص نے آپؐ سے کچھ سوال کیا تو آپؐ نے اس کو بکریوں، بھیڑوں کا پورا گلہ عطا فرمایا جو دو پہاڑوں کے درمیان تھا، وہ یہ سب بکریاں لے کر اپنی قوم میں واپس آگیا اور کہنے لگا لوگو! اسلام لے آؤ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس طرح دے دلا رہے ہیں کہ جیسے ان کو فقر وفاقہ کا ڈر ہی نہ ہو، ایک مرتبہ آپؐ کی خدمت میں نوے ہزار درہم پیش کیے گئے، یہ رقم ایک چٹائی پر ڈالدی گئی، اور آپؐ نے کھڑے ہو کر اس کو تقسیم کرنا شروع کیا، اور کسی سائل کو بھی آپؐ نے واپس نہ فرمایا، یہاں تک کہ سارا ڈھیر ختم ہوگیا"۔

لیکن اس ذوق عبادت، دنیا اور سامان دنیا سے بے تعلقی، کمال زہد، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کامل، اور اس کے حضور آہ وزاری اور دعا ومناجات سے آپؐ کی خندہ جبینی، حسن اخلاق، شفقت و ملاطفت دلداری ودلنوازی اور ہر شخص کو اس کا جائز حق دینے اور اس کے مرتبہ وحیثیت کے مطابق سلوک کرنے میں کوئی فرق نہ آتا تھا، اور یہ دونوں باتیں ایسی ہیں کہ ان کو اس طرح جمع کرنا کسی دوسرے شخص کے لیے ناممکن ہے، آپؐ فرماتے تھے: "لو تعلمون ما أعلم لضحکتم قلیلاً ولبکیتم کثیراً" (جو میں جانتا ہوں وہ اگر تم جان لیتے تو بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے)۔

آپؐ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ فراخ دل، نرم طبیعت اور خاندانی لحاظ سے سب سے زیادہ محترم تھے، اپنے اصحاب کرامؓ سے الگ تھلگ نہ رہتے تھے، بلکہ ان سے پورا میل جول رکھتے تھے، ان سے باتیں کرتے، ان کے بچوں کے ساتھ خوش طبعی وخوش مذاقی کے ساتھ پیش آتے، ان بچوں کو اپنی گود میں بٹھاتے، غلام اور آزاد، باندی، مسکین اور فقیر سب کی دعوت قبول فرماتے، بیماروں کی عیادت فرماتے، خواہ وہ شہر کے آخری سرے پر ہوں، عذر خواہ کا عذر قبول فرماتے، آپؐ کو کبھی صحابۂ کرامؓ کی مجلس میں پیر پھیلائے ہوئے نہیں دیکھا گیا تاکہ اس کی وجہ سے کسی کو تنگی ودشواری نہ ہو۔

عبداللہ بن الحارثؓ روایت کرتے ہیں کہ: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خندہ رو اور متبسم کسی کو نہیں دیکھا"، جابر بن سمرہؓ راوی ہیں کہ: "مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں سو بار سے زیادہ بیٹھنے کا اتفاق ہوا، میں نے دیکھا

کہ آپؐ کے اصحاب کرامؓ ایک دوسرے سے اشعار سن رہے ہیں، اور سنا رہے ہیں، اور جاہلیت کی بعض باتوں اور واقعات کا تذکرہ بھی کر رہے ہیں، اور آپ ساکت ہیں، یا کبھی کوئی ہنسی کی بات ہوتی تو ان کے ساتھ آپ بھی تبسم فرماتے ہیں"۔

شرید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے امیۃ بن صلت کے اشعار سننے کی فرمائش کی، چنانچہ میں نے آپؐ کو اس کے اشعار سنائے"۔

آپؐ نہایت درجہ نرم دل، محبت کرنے والے اور لطف وعنایت کے پیکر تھے، انسانی جذبات اور لطیف احساسات آپؐ کی سیرت میں بہترین اور حسین ترین شکل میں جلوہ گر تھے، انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے، میرے دونوں بیٹوں (حسن وحسین رضی اللہ عنہما) کو بلاؤ وہ دوڑے ہوئے آتے تو آپؐ ان دونوں سے منہ ملاتے اور ان کو اپنے سینہ سے لگا لیتے"۔ "آپؐ نے ایک مرتبہ اپنے نواسہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور دوڑتے ہوئے آئے، اور آپ کی گود میں گر پڑے، پھر آپؐ کی ریش مبارک میں اپنی انگلیاں ڈالنے لگے، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دہن مبارک کھولدیا، اور وہ اپنا منہ آپؐ کے دہن مبارک میں ڈالنے لگے"۔

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ: "زید بن حارثہؓ (جو آپؐ کے غلام تھے) مدینہ آئے تو اس وقت آپ گھر پر تشریف فرما تھے، وہ گھر پر آئے اور دروازہ پر دستک دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے، آپؐ اس وقت پورے کپڑوں میں ملبوس نہ تھے، چادر جسم مبارک سے گری جارہی تھی، ان کو دیکھ کر آپؐ نے معانقہ فرمایا اور بوسہ لیا"۔

اُسامہ بن زیدؓ بیان کرتے ہیں کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صاحبزادی نے آپؐ کو یہ پیغام کہلوایا کہ میرے بچہ کا دم واپسیں ہے، آپ اس وقت یہاں تشریف لے آئیں، آپؐ نے ان کو سلام کہلوایا اور فرمایا کہ اللہ ہی کے لیے ہے، جو اس نے لیا، اور اسی کے لیے ہے، جو اس نے عطا کیا، ہر چیز اس کے یہاں نامزد اور مقرر ہے، پس چاہیے کہ صبر سے کام لیں، اور اجر وثواب کی نیت اور امید رکھیں، انھوں نے آپؐ کو قسم دلائی کہ آپؐ ضرور تشریف لائیں، آپؐ کھڑے ہوئے اور ہم سب آپؐ کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے، جب آپؐ وہاں بیٹھے تو بچہ گود میں آپؐ کے پاس لایا گیا، آپؐ نے اس کو اپنے آغوش مبارک میں لے لیا، اس وقت اس کی سانس اکھڑ چکی تھی یہ منظر دیکھ کر آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، سعدؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ یہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ یہ رحم ہے، جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے دل میں چاہتا ہے ڈالدیتا ہے، اور بے شک اللہ تعالیٰ اپنے رحم دل بندوں ہی پر رحم فرماتا ہے"۔

جب بدر کے قیدیوں کے ساتھ حضرت عباسؓ کی مشکیں کسیں گئیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کراہ سنی تو آپؐ کو نیند نہیں آئی، جب انصار کو یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے ان کی مشکیں کھول دیں، انصار کی یہ رحم دلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات پر آمادہ نہ کرسکی کہ حضرت عباسؓ اور دیگر قیدیوں میں فرق رکھا جائے، انصار نے یہ دیکھ کہ حضرت عباسؓ کی مشکیں کھولنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے تھے، یہ خواہش کی کہ ان کا فدیہ بھی چھوڑ دیا جائے، ان کا مقصد یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور زیادہ خوش ہوں، لیکن آپؐ نے اس بات کو قبول نہ فرمایا۔

ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ: "کیا آپؐ لوگ اپنے بچوں کو پیار کرتے ہیں، ہم تو ان کو پیار نہیں کرتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل سے رحم نکال لیا ہو تو میں تمہارے لیے کیا کرسکتا ہوں"۔

آپؐ بچوں پر بہت شفیق تھے، اور ان سے بہت نرمی اور محبت کا معاملہ فرماتے تھے، حضرت انسؓ راوی ہیں کہ: "آپؐ کا گزر کچھ بچوں پر ہوا، جو کھیل رہے تھے، آپؐ نے ان کو سلام کیا"۔ انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں گھلے ملے رہتے تھے، میرے ایک چھوٹے بھائی سے آپؐ فرماتے ابوعمیر! نغیر کیا ہوا"۔

مسلمانوں پر آپؐ بے حد شفیق اور مہربان تھے، اور ان کے احوال کی بہت رعایت فرماتے تھے، انسانی طبائع میں اُکتاہٹ اور وقتی طور پر پست ہمتی یا تعطل پیدا ہوتا رہتا ہے، اس کا برابر لحاظ رکھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو جو وعظ ونصیحت فرماتے تھے، وہ وقفوں کے ساتھ ہوتی تھی، اس خیال سے کہ کہیں ہمارے اندر اکتاہٹ نہ پیدا ہونے لگے، نماز سے اس قدر تعلق اور شیفتگی کے باوجود آپؐ اگر کسی بچہ کا رونا سن لیتے تو نماز مختصر فرمادیتے، آپؐ نے خود یہ ارشاد فرمایا کہ میں نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ طویل نماز پڑھوں کہ کسی بچہ کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اس خیال سے نماز مختصر کردیتا ہوں کہ اس کی ماں کو دشواری اور تکلیف نہ ہو"۔

عبداللہ بن مسعودؓ راوی ہیں کہ: "ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! خدا کی قسم میں (اپنے محلہ کی) صبح کی نماز میں محض اس لیے نہیں پہونچتا کہ فلاں

صاحب بہت طویل نماز پڑھاتے ہیں، اس کے بعد جو وعظ آپؐ نے فرمایا اس سے زیادہ غصہ کی حالت میں میں نے کسی اور وعظ میں آپؐ کو نہیں دیکھا، آپؐ نے فرمایا: ''تم میں وہ لوگ ہیں، جو لوگوں کو متنفر کرتے ہیں، تم میں سے جو نماز پڑھائے اس کو چاہیے کہ مختصر پڑھے، اس لیے کہ نمازیوں میں کمزور بھی ہوتے ہیں، بوڑھے اور ضرورت والے بھی''۔

اسی سلسلہ میں یہ واقعہ بھی آسکتا ہے کہ انجشہ جو عورتوں کے قافلہ کے حدی خواں تھے، بہت خوش آواز شخص تھے، ان کی خوش آوازی کی وجہ سے اونٹ بہت تیز رفتاری کے ساتھ بڑھنے لگتے تھے، عورتوں کو اس سے زحمت ہوتی تھی، یہ دیکھ کر آپؐ نے انجشہ سے فرمایا: ''انجشہ، ذرا آہستہ! اس تیز رفتاری سے آبگینوں (کمزور ونازک ہستیوں) کو تکلیف نہ پہونچ جائے''۔

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے سینے کو کینہ سے اور کسی کا برا چاہنے سے ہر طرح سے پاک کردیا تھا، آپؐ فرماتے تھے کہ: ''تم میں سے کوئی شخص مجھ سے کسی دوسرے کی شکایت نہ کرے اس لیے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تمہارے سامنے اس حالت میں آؤں کہ میرا دل بالکل صاف ہو''۔

آپؐ مسلمانوں کے حق میں شفیق باپ کی طرح تھے، اور سارے مسلمان آپؐ کے سامنے اس طرح تھے، جیسے وہ سب آپؐ کے اہل وعیال میں شامل ہوں، اور ان سب کی ذمہ داری آپؐ پر ہو، آپؐ کو ان پر اس درجہ شفقت اور ان سے اس درجہ تعلق تھا، جیسے ماں کو اپنے گود کے بچے سے ہوتی ہے، مسلمانوں کے پاس مال ودولت اور ان کے رزق میں جو فراخی اللہ تعالیٰ نے فرمائی تھی، اس سے تو آپؐ کو کوئی سروکار نہ تھا، لیکن ان کے قرضوں اور ان کو زیر بار کرنے والی چیزوں کو ہلکا کرنا، آپؐ نے اپنے ذمہ لے لیا تھا، آپؐ فرماتے تھے، جس نے ترکہ میں مال چھوڑا وہ اس کے وارثوں کا ہے، کچھ قرضہ وغیرہ باقی ہے تو وہ ہمارے ذمہ''، ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''کوئی مومن ایسا نہیں جس کا مجھ سے زیادہ دنیا وآخرت میں کوئی ولی ہو، اگر چاہو تو یہ آیت پڑھو: "اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ" [الاحزاب:٦] (نبی مسلمانوں کے لیے ان کی جانوں سے زیادہ دوست اور شفیق ہیں)۔

اس لیے جس مسلمان کا انتقال ہوا اور وہ کچھ مال چھوڑے تو وہ اس کے عصبہ، قریبی رشتہ داروں کا حق ہے، وہ جو بھی ہوں، اگر اس کے ذمہ کچھ قرض اور زمین جائیداد رہ جائے تو میرے پاس آئے، اس کا والی اور ذمہ دار میں ہوں''۔

☆☆☆☆☆

ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہماری تعریف اور ہماری تقدیس سے بے نیاز ہیں، ان کے بارے میں خود اللہ جل وشانہ نے یہ فرمادیا کہ: "رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" کہ ہم نے تمہارے تذکرے کو بلند مقام عطا فرمایا ہے، ایسا بلند مقام کہ چوبیس گھنٹے میں کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا کہ دنیا میں کہیں نہ کہیں "أشهد أن محمداً رسول الله" کی صدا بلند نہ ہوتی ہو، ہر وقت اور ہر لمحہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی بلند بانگ سے دی جارہی ہے، اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے ذکر کو اتنا بلند فرمایا، یہ لوگ ہزار بدزبانیاں کیا کریں، لیکن کائنات کی ساری قوتیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور تقدیس کے گیت گاتی ہیں اور آپ پر درود بھیجتی ہیں، اللہ جل شانہ ان پر رحمت بھیجتے ہیں، فرشتے ان پر درود بھیجتے ہیں، ان کو نہ ہمارے تمہارے درود کی حاجت ہے، ان کو نہ ہماری اور تمہاری تعریف کی حاجت ہے اور نہ بدباطن لوگوں کی طرف سے کسی تعریف کی حاجت ہے، وہ ذات تو اس سے بلند وبرتر وبالا ہے، ان تمام تعریفات سے بلند ہے، ان کو تو پیدائش کے وقت سے اللہ تعالیٰ نے "محمّد" قرار دیا، یعنی جس کی تعریف کی گئی ہے، جس کی تعریف زمین وآسمان میں ہے، جس کی تعریف فرشتوں میں ہے، جس کی تعریف کائنات میں ہے، اس ذات کو تو آپ کی اور ہماری تعریف کی حاجت نہیں، لیکن یہ ایک مسلمان کی خوش بختی ہوگی کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کی تعریف کو اور آپ کی عظمت اور تقدیس کو، آپ کی حرمت کو برقرار رکھنے کے لیے وہ ایسا قدم کرے جس سے ان بدباطنوں کو نقصان پہنچائے، کم سے کم اتنا تو ہو کہ ان کو پیسے کی چوٹ لگے، ایک مرتبہ ان کو پتا چلے کہ الحمدللہ مسلمانوں کی غیرت ابھی سوئی نہیں ہے، ان شاء اللہ کم از کم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والوں میں تمہارا نام لکھا جائے گا۔

☆☆☆

سخن دلپذیر

معاشرہ کی موجودہ کمزوریاں اور ان کا علاج

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

اس وقت اسلامی معاشرہ کی اصلاح کی سخت ضرورت ہے، اور یہ کوئی نئی ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ گزشتہ زمانوں میں بھی برابر پیش آتی رہی ہے، کیونکہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ اسلامی معاشرہ کو مختلف قسم کے چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑا، اسی طرح آج بھی اسے متعدد چیلنجز درپیش ہیں، یہ چیلنج اور مسائل ہر زمانے میں اپنوں کی جانب سے بھی اور غیروں کی جانب سے بھی پیش آتے رہے ہیں، جن سے اسلامی معاشرہ پر اثر پڑتا رہا ہے اور دانشوروں اور مصلحین نے ان کا مقابلہ کیا ہے، آج بھی بعض ایسے چیلنج اور مسائل پیش آرہے ہیں جن کے دباؤ سے امت مسلمہ کو اپنی ذمہ داری اور قیادت وہدایت کے فریضہ کو بخوبی ادا کرنے میں رکاوٹ پیش آرہی ہے، جب کہ اسلامی اقدار، عقائد وآداب (اگر ان کو اپنایا جائے) تو ان میں امت مسلمہ کے انحراف وروگردانی سے بچاؤ اور ان کی حفاظت کے لیے پوری طاقت وصلاحیت موجود ہے۔

آج اسلامی معاشرہ اپنی اصل سے منحرف اور انحطاط کا شکار ہے، اس کا حال ایسے گھر کی طرح ہوگیا ہے جو حالات زمانہ اور اپنوں کی بے توجہی سے کہنگی اور کمزوری کا شکار ہورہا ہو، وہ اس میں رہنے والوں کی نہ تو گرمی سے حفاظت کررہا ہو اور نہ ہی بارش سے، اس کے رہنے والوں نے اسے درست کرنے کا ارادہ کیا ہو اور اس کی درستگی اور مرمت کرنے کی کوشش کی ہو اور اس کے لیے دوستوں سے تعاون لیا ہو، اور دشمنوں سے بھی سامان حاصل کیا ہو، اس طرح انہوں نے بعض شگاف تو بند کردیے ہوں لیکن ایسے اینٹ اور گارے سے جو باہم میل نہیں کھاتے، اور ایسے پتھروں سے اس کی مرمت کی ہو جو اس کی ضرورت کے سائز کے نہ تھے، چنانچہ اس مکان کو بھونڈے طریقے سے سنبھال لیا ہو لیکن اس طرح انہوں نے اس کی حالت بگاڑ دی ہو اور یہ ایسے وقت میں ہورہا ہے جب امت مسلمہ دنیا کے اکثر حصوں میں پھیل گئی ہے اور اسلام کے ماننے والوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوگیا ہے، اس وقت ان کی آبادی دنیا کی چوتھائی آبادی کے قریب ہوگئی ہے، اسی بنا پر معاندین اسلام ان کی بڑھتی ہوئی تعداد کو ڈر کی نظر سے دیکھنے لگے ہیں اور ان کو علاقائی خصوصیات کی بنا پر ایک ایسی طاقت تصور کرنے لگے کہ دنیا کے بعض علاقے ان کے اثر وطاقت، ہیبت اور وزن کے تعلق سے پہچانے جانے لگے، اسی کے پیش نظر اسلام کے مخالفین نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی سازشیں شروع کردیں، اور ان کے تشخص کو ختم رکھنے اور ان کے امتیاز کو مٹانے کے منصوبے بنائے، اور ان کی معاشرتی طاقت و وحدت کو پراگندہ کرنے کی تدبیریں کیں، یہ معاشرتی طاقت ووحدت ان کے لیے وہ ذریعہ رہی ہے جس سے ایک طرف ان کی افاظت رہی ہے دوسری طرف وہ برے حالات میں ان کے لیے مدد وقوت بنتی رہی ہے۔

مسلمانوں کی موجودہ حالت

اس روئے زمین کے الگ الگ حصوں میں مسلمان جداگانہ ماحول میں زندگی بسر کرتے ہیں، بعض ملکوں میں تو وہاں اکثریت میں زندگی گزار رہے ہیں اور بعض میں ان کی حیثیت اقلیتی فرقہ کی ہے، ان میں بعض اقلیتیں اپنے سیاسی رسوخ اور معنوی طاقت وقوت کی بنا پر بہرحال کچھ بہتر حالت میں ہیں لیکن کچھ ملکوں میں ان اقلیتوں کی حالت ناقابل بیان ہے، اور ان کا بہت ہی برا حال ہے، مزید افسوس کی بات یہ ہے کہ جن ممالک میں مسلمان اکثریت میں ہیں ان میں بھی اکثر کی حالت بہت اچھی نہیں ہے اس لیے کہ انہوں نے اپنے ان ملکوں میں اپنے ملی تقاضوں اور حالات کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنی متوازن اسلامی سوسائٹی کی تعمیر وتشکیل نہیں کی، اور نہ ہی ان کے اندر انہوں نے اسلام کے اصل اور بنیادی تقاضوں کا خیال رکھا، اس بنا پر ان کا معاشرہ نہ تو قاعدے سے قدیم طریقہ کا مشرقی ہوسکا اور نہ ہی جدید اصول سے مغربی، اور نہ ہی وہ اصول ومزاج کے لحاظ سے صحیح اسلامی معاشرہ بن سکا، وہ دوسرے معاشروں کے پیوندوں سے آراستہ معاشرہ بنا، اس پیوند کاری سے ملت اسلامیہ کو کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں پہونچ سکا، یہ معاشرہ نہ تو اسلام کے اصل رنگ میں رن گیا یا، اور نہ ہی وہ فساد وبگاڑ کے اثرات سے محفوظ رہ سکا، چنانچہ وہ ایک ایسے مکان کی طرح ہوگیا، جو اپنے مکین کی نہ تو مصیبتوں سے حفاظت کرسکتا ہو اور نہ ہی اسے دشمن کے خطرہ سے محفوظ رکھ پاتا ہو۔

مسلمان اقلیتوں کا معاشرہ

اس صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے دیکھا جائے تو ملت اسلامیہ جہاں جہاں اقلیت میں ہے وہاں اس کے زعماء نہ تو اپنے لوگوں کے لیے اقتدار وحکمرانی کے شعبہ میں کوئی مضبوط گرفت رکھتے ہیں، اور نہ ہی اپنی خواہش اور منصوبوں کے مطابق وہ سماج کی تشکیل کرپاتے ہیں، اس لیے کہ وہاں ان سے مختلف مقاصد ومزاج رکھنے والی اکثریت حکمراں

ہے، اور حکمراں ہونے کی وجہ سے تعلیم اور ذرائع ابلاغ کے اداروں پر اس کا تسلط ہے، جو کسی بھی سماج کی تعمیر کے لیے بہت ہی اہم ذرائع ہوا کرتے ہیں، ان دونوں پہلوؤں کے ہاتھ میں نہ آنے اور موافق نہ ہونے کے بعد صرف ایک قومی ڈھانچہ بچتا ہے جو ہر باہری حملہ کا نشانہ ہے، ریڈیو اور ٹیلی ویژن اس کو بھی متاثر کرتا رہا ہے اور ٹیلی ویژن کے سبب اب معاشرہ کی گھریلو زندگی بھی محفوظ نہیں رہی ہے، معاملہ والدین اور بڑوں کے ہاتھ سے نکل گیا ہے، وہ اور گھر کے دوسرے ذمہ دار اپنی اولاد کی زندگی کو صحیح رخ دینے اور ان کو فساد سے بچانے میں ناکام ہیں۔

ان حالات کی بنا پر اسلامی اقلیتیں پورے طور پر زبوں حالی کا شکار ہیں اور ان کا اسلامی تشخص، دین وثقافت اور ادب وفن سخت آزمائش اور بحران کے دور سے گزر رہا ہے، جس کے لیے انہیں اکثریتی قوموں کے ذہنوں کی غلامی کرنی پڑ رہی ہے، اس کی زندہ مثال وہ واقعات ہیں جو آئے دن اسلامی اقلیت والے ملکوں میں پیش آتے رہے ہیں اور پیش آرہے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کچھ اسلامی اقلیتو ں کے اندر قائدانہ صلاحیت رکھنے والے بعض ہوشمند افراد اسلامی اقدار کی حفاظت کے لیے حکیمانہ ودانشمندانہ انداز اپناتے ہیں اور انہیں اس راہ میں کامیابیاں بھی نصیب ہوئیں۔

ان سلسلہ میں ان کے سب سے اہم ذرائع مساجد ہیں جو لوگوں کو روزانہ اور ہفتہ ہفتہ یا کم از کم سالانہ عبادتوں میں ایک جگہ اکٹھا ہونے کا موقع دیتی ہیں، اس کے علاوہ بعض مذہبی رسومات کے ذریعہ بھی وہ اپنے علماء سے دین حنیف کے نام پر رابطہ قائم کرتے ہیں اور وہ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوتے ہیں، اس وجہ سے ان کا اسلامی معاشرہ کسی حد تک باقی ہے اگرچہ وہ اپنی ہیئت وحالت کے اعتبار سے خستہ حال ہو رہا ہے، اور وہ پراگندہ اور بوسیدہ کیے جانے کا نشانہ ہے، اسی کے ساتھ دنیا کے بعض ملکوں میں بعض مسلم اقلیتیں ایسی ضرور ہیں جن کے اندر دینی اقدار کو متاثر کرنے والی اور اسلام دشمن طاقتیں پورے طور پر عمل دخل نہیں کر سکتی ہیں چنانچہ یہ اقلیتیں متعدد آزادیوں سے بہرہ ور ہیں، ان میں مدارس کے قیام کی خاطر خواہ آزادی ہے، وہ طبع واشاعت کے سلسلے میں بھی خود مختار ہیں، یہ لوگ دوسری کمزور ومغلوب اقلیتوں کے مقابلے میں اچھی حالت میں ہیں لیکن بہر حال ان کے مستقبل کے سلسلے میں ان کے ذہنوں کے اندر ضرور سوالیہ نشانات پائے جاتے ہیں، کیونکہ اسلام کو حریف سمجھنے کا خیال ایک عالمی شکل اختیار کر چکا ہے، لہٰذا انہیں کچھ علم نہیں کہ کب کیا ہو جائے۔

مسلمان اکثریت کا معاشرہ

ان علاقوں میں جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں، اکثریت میں ہونے اور ملک کی زمام اختیار اپنوں کے ہاتھ میں ہونے کو دیکھتے ہوئے ایسا لگتا ہے کہ وہ ملی تقاضوں اور ضرورتوں کے لحاظ سے بھی محفوظ ومامون ہوں گے لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ حقیقت اس کے برعکس ہے کیونکہ مغربی سامراج کے ان ملکوں سے نکلنے کے بعد بھی وہاں صحیح اسلامی تشخص بنانے کا کام نہیں ہو سکا، کیونکہ مغربی سامراج نے ان ملکوں میں اپنی پسند کے افکار و خیالات اور تہذیب وثقافت کے بیج اس طرح بو دیے ہیں کہ صحیح اسلامی فکر کے بحال ہونے کی راہ میں بڑی رکاوٹیں ہیں، دراصل مغربی سامراج نے اپنی حکومت کے دوران مشرقی اور اسلامی ملکوں کی نسلوں کی تربیت خالص مغربی تہذیب ومعاشرہ کی نہج پر کی اور ان ممالک کی سوسائٹی اور ان کے اقدار کو مغربی اقدار کے قالب میں ڈھالنے کی پوری کوشش کی، پھر دینی، عقائدی اور ثقافتی گمراہیاں اس پر مستزاد رہیں، بہر حال مشرق کو متاثر کرنے میں مغرب کو خاصی حد تک کامیابی ملی، اس زاویہ سے اگر دیکھا جائے تو ان ملکوں سے مغربی سامراج کا ابھی پورے طور پر خاتمہ نہیں ہوا ہے، وہ اگر کچھ ختم ہوا ہے تو صوری اور اصطلاحی طور پر ختم ہوا ہے، ثقافتی اور نظریاتی لحاظ سے ختم نہیں ہوا اور یہ مغربی سامراج وہاں سے اس وقت تک نہیں نکل سکتا جب تک کہ ہم اس کو اپنے دماغوں سے نہ نکال دیں، یہی وہ ضروری کام ہے، جس کو کرنا مسلمانوں کے لیے بہت ضروری ہے، پھر یہ ضروری ہوگا کہ وہ اسلامی سوسائٹی کی تشکیل خالص اس کے بنیادی اور فکری نہج پر کریں، لیکن اس سلسلے میں یہ ضروری ہے کہ ہم پہلے امراض کی تشخیص کریں اور معاشرہ کی کمزوریوں کو تلاش کریں اس کے بعد ہی ہم ان کا مناسب علاج اور مداوا کر سکیں گے۔

مدینہ منورہ کا معاشرہ بطور اسوہ

مذکورہ دونوں امور کے لیے ہم کو اولین اسلامی معاشرہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشرہ کی جانب لوٹنے کی ضرورت ہے، جن ملکوں میں مسلمان اقلیت میں اور مخالفانہ ماحول میں ہیں وہاں آپ کے مکی دور کا معاشرہ اور جہاں بااختیار ہیں وہاں مدنی دور کا معاشرہ، مدنی دور کا معاشرہ ایسا معاشرہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منور کے دس سالہ قیام کے دوران وجود میں آیا، ماہ وسال کو دیکھتے ہوئے تو یہ مدت بہت معمولی ہے لیکن اپنی معنویت اور حقیقت کے اعتبار سے وہ صدیوں پر بھاری ہے، یہ معاشرہ ان تمام اسلامی معاشروں کے لیے آئیڈیل اور

نمونے کی حیثیت رکھتا ہے جو قیامت تک اس دنیا کے کسی بھی خطہ میں تشکیل پائیں۔

مدینہ منورہ کی اسلامی سوسائٹی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر بہت سی بنیادوں اور اصولوں کے ساتھ قائم تھی، اس کے واقعات وحالات ہمیشہ کے لیے اسلامی معاشروں کے لیے مشعل کا کام کرتے رہیں گے، اور انہیں کی روشنی میں ہم اپنی اعلیٰ وادنیٰ زندگیوں میں پیش آنے والے واقعات ومسائل کو ڈھال سکتے ہیں، اسلامی سوسائٹی کے مختلف پہلوؤں پر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقطۂ نظر اور ارشادات اور آپؐ کے اصحاب کرامؓ کے پیش کردہ حل سے تمام آنے والی نسلوں کو ہمیشہ ایک رخ اور ایک زاویہ نظر ملتا رہے گا۔

نبوی معاشرہ: دین ودنیا کا امتزاج

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں کو اپنے پالنہار، اپنے رب، اپنے خدا سے تعلق استوار کرنے اور پوری زندگی میں اسی تعلق کی درستگی کے لیے حکم دیتے تھے، اور آپ ان تمام فطری تقاضوں کا خیال رکھتے تھے، جن کے بغیر کسی انسان کا جینا مشکل ہے، ان کی عام زندگی کے لیے ان کی اجتماعی وانفرادی زندگی کے دائرہ میں غور وفکر کرتے تھے، اور سیاسی، اقتصادی، اور ثقافتی اغراض، الغرض ہر پہلو سے اس کی پوری رعایت کرتے تھے، آپؐ ایسے دینی پیشوا اور رہبر تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے بیک وقت دینی ہدایت ورہنمائی اور اخلاقی تربیت واصلاح کے لیے مبعوث فرمایا تھا، اسی بنا پر آپؐ اپنے پیروؤں کے عقائد کی درستگی اور ان کی دینی، سماجی اور اخلاقی کردار کی درستگی پر خصوصی توجہ دیتے تھے۔

دین وعبادت کا پہلو

جہاں تک دین وعبادت الٰہی کا تعلق ہے تو اس پر خود بھی اور اپنے ماننے والوں کو بھی ایسی پابندی کرنے کا حکم فرماتے تھے کہ جس میں اپنے خدا سے ہمہ وقت تعلق ومحبت کا رشتہ استوار ہوجائے، فرائض تو فرائض ہیں، مستحبات ومستحسن طریقوں کو بھی اختیار کرنے کا جذبہ پیدا ہوجائے، ایک حدیث میں آپؐ فرماتے ہیں:

''اس طرح خدا کی عبادت کرو گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم نہیں دیکھ رہے ہو تو جان لو کہ وہ تو تم کو دیکھ رہا ہے''، اور خود عملی طور پر کثرت عبادت کی مثال پیش کرتے تھے، یہاں تک کہ زیادہ نماز پڑھنے سے آپؐ کے پیروں میں ورم ہوجاتا تھا اور جب آپؐ سے کہا جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے پچھلے اور اگلے گناہوں کو معاف فرمادیا ہے، تو آپؐ اس قدر عبادت کیوں کرتے ہیں، تو آپؐ فرماتے کہ کیا میں اپنے خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں، لیکن اس کے ساتھ جسمانی صحت وبقاء کا لحاظ کرنے کی طرف بھی تاکید کرتے تھے۔

چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ بیشک تمہارے جسم کا تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے اور تمہاری جان کا تم پر حق ہے تو ہر ایک کو اس کا پورا حق دو، آپؐ صدقات کا حکم فرماتے تھے، اور اس کی تاکید کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ آگ سے بچو اگرچہ کھجور کی گٹھلی کے ذریعہ ہی کیوں نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرتے تھے اور فقر کی پروا نہیں فرماتے تھے، آپؐ زہد وتقویٰ وتوکل اختیار کرنے اور دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے کو بہتر قرار دیتے تھے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی زندگی وقف کردے اس کو پسند فرماتے تھے، اور اصحاب صفہ جو آپؐ کی مسجد میں حصول علم کے لیے مقیم تھے، آپؐ کے ساتھ بھوک کو برداشت کرتے تھے اور مستقل طور پر اقتصادی وسائل نہ ہونے کی وجہ سے کم غذا پر ان کو اکتفاء کرنا پڑتا تھا۔ آپؐ جس قدر روزی میسر ہوتی تھی اس میں انہیں اپنے ساتھ شریک کرتے تھے، اور دین کے امور انجام دینے اور خدا کو بکثرت یاد کرنے کے سلسلے میں خاص اہتمام کا حکم فرماتے تھے، بیان کیا جاتا ہے کہ آپؐ کی مجلس میں ایک شخص پابندی سے حاضر رہتا تھا، جس کے بھائی زندگی کے مصارف کے لیے کمانے کی مشغولیت اختیار کرتے تھے اور خود پر اور اپنے اس بھائی پر خرچ کرتے تھے ان کے اس کمانے والے بھائی نے ایک روز رسول اللہؐ سے شکایت کہ کہ اس کے یہ بھائی ان کے ساتھ تعاون نہیں کرتے تنہا مجھ پر بوجھ پڑ گیا ہے، تو آپؐ نے ان بھائی کے دین سیکھنے میں مشغول ہونے کی اہمیت بتاتے ہوئے فرمایا کہ شاید تمہیں اسی کی وجہ سے رزق دیا جارہا ہو یعنی بسا اوقات اللہ تعالیٰ ایسے اچھے ساتھی اور بھائی کی برکت کی وجہ سے ہی کمائی میں سہولت پیدا کرتا ہے، جو اپنے وقت کو دین کی تعلیم کے لیے صرف کرتا ہے۔

زندگی کا بنیادی پہلو

لیکن آپؐ کا یہ کہنا دنیاوی تقاضے کو نظر انداز کرنے کے لیے نہیں تھا کیونکہ اسی کے ساتھ حضورؐ کسی سے مانگ کر اپنی ضرورت پوری کرنے اور اپنے بوجھ کو کسی دوسرے پر ڈالنے سے بھی روکتے تھے، آپ نے ایک شخص کو دیکھا جو لوگوں سے مانگ کر اپنی ضرورت پوری کرتا تھا، تو اس کو ایسا کرنے سے منع کیا اور اس سے پوچھا کہ اس کے پاس کیا سامان ہے، اس کے پاس ایک چادر اور ایک برتن تھا، آپؐ نے اس کو نیلام کردیا، پھر حاصل شدہ رقم سے ایک کلہاڑی خریدی جس سے وہ شخص لکڑی کاٹ کر فروخت کرے، تاکہ اس کے نفع سے اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے پر قادر ہوسکے، اس سے معلوم ہوا کہ مال کا حصول اپنی ذاتی محنت سے کرنا چاہیے اور انسان کو دوسروں پر بوجھ نہیں بننا چاہیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کثرت عبادت کی جانب رغبت دلایا کرتے تھے، لیکن جب آپ کو علم ہوا کہ تین صحابہؓ نے یہ قسم کھائی ہے کہ ان میں سے ایک شخص پوری رات عبادت میں گزارے گا، اور وہ راتوں کو نہیں سویا کرے گا، اور دوسرا شخص اپنا پورا دن روزہ میں گزارے گا، تیسرا شخص کبھی شادی نہ کرے گا اور عبادت کی خاطر تجرد کی زندگی گزارے گا، تو آپؐ نے اس سے منع فرماتے ہوئے فرمایا کہ میں تم میں سب سے زیادہ اللہ کا عبادت گزار بندہ ہوں، رات کو عبادت کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزے رکھتا ہوں اور بغیر روزے کے بھی دن گزارتا ہوں، شادی کی ضرورت بھی پوری کرتا ہوں۔

آپؐ حاکم (امیر) کی مکمل اطاعت کا حکم فرماتے تھے، لیکن جب آپؐ کو پتہ چلا کہ ان کے امیر نے لوگوں کو آگ کے اندر گھس کر جل جانے کا حکم دیا، جس کی ان لوگوں نے حکم عدولی کی تو آپ نے ان کی اس حکم عدولی کو صحیح قرار دیا، اور فرمایا کہ اگر تم لوگ آگ میں داخل ہوجاتے تو کبھی اس سے نہ نکل پاتے، یعنی جہنم کی آگ میں جانا پڑتا اور فرمایا کہ اگر خالق یعنی خدا کی معصیت کی بات ہو تو اس میں کسی بھی بندے کا حکم نہیں مانا جائے گا، آپؐ زوجین کو باہم حقوق کی ادائیگی کا حکم فرمایا کرتے تھے، اسی طرح پڑوسی حاکم وخادم وغلام کے باہم حقوق کی ادائیگی پر زور دیا کرتے تھے۔

اپنی وفات کے وقت جہاں آپؐ نے نماز کی پابندی کا حکم فرمایا وہیں غلاموں کے حقوق کی ادائیگی، عورتوں پر رحم دلی کا معاملہ کرنے نیز ان دونوں کے ساتھ حسن سلوک اور نرمی کے ساتھ پیش آنے کی تلقین بھی فرمائی، اور آپؐ نے عورتوں کو ان کی کمزوری کے پیش نظر ان کی کمزوری کا لحاظ رکھنے کی طرف متوجہ کرنے کے لیے ان کو شیشہ سے تشبیہ دی کہ ان کے ساتھ نرمی برتو وہ آبگینوں کی طرح ہیں، آپؐ نے اجتماعی زندگی کی حفاظت کا حکم فرمایا اور لوگوں کو اختلاف وتفرقہ بازی سے منع فرمایا اور فرمایا کہ جو جماعت سے کٹ گیا وہ جہنم میں جائے گا اور وہاں بھی علاحدہ جائے گا، اور فرمایا کہ بھیڑیا اس بکری کو کھا جاتا ہے جو ریوڑ سے علاحدہ ہوجاتی ہے۔

مسائل زندگی میں اعتدال وتدبر وحکمت عملی کا لحاظ

حضورؐ اسلامی زندگی کے مسائل کے لیے حکمت کے پہلو کو اپناتے تھے، آپؐ فوجوں کی خود تربیت فرماتے تھے، اور جنگ کے سلسلہ میں بہتر سے بہتر تدبیروں کو اختیار کرتے تھے اور دشمن کے فریب سے بچنے میں ذرہ برابر کوتاہی نہیں کرتے تھے، آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا، آپؐ ہر کام کے لیے ساز وسامان اور حکمت وتدبیر کے ساتھ پوری تیاری کرتے تھے، آپؐ نے اپنے صحابہؓ سے جبل احد کی جانب سے دشمنوں سے جنگ کرنے یا پھر مدینہ میں رہ کر ان کا دفاع کرنے کے سلسلے میں مشورہ کیا، اور جب آپؐ نے دیکھا کہ صحابہ کی بڑی تعداد کی رائے شہر کی محفوظ فضا سے نکل کر شہر سے باہر میدان میں جنگ کرنے کی ہے، تو آپؐ نے ان کی رائے کو اس وقت کے حالات کے لحاظ سے زیادہ مدبرانہ نہ سمجھتے ہوئے بھی مان لیا، پھر یہ بھی تدبیر کی کہ کچھ تیر انداز ساتھیوں کو میدان جنگ سے متصل پہاڑی پر بیٹھنے کا حکم فرمایا تاکہ وہ دشمن کی نقل وحرکت پر نظر رکھ سکیں اور جنگ کے خاتمہ تک ان کو وہاں جمے رہنے کی تاکید کی، لیکن وہ لوگ جنگ کا پانسہ دشمن کے خلاف ہوتے ہوئے دیکھ کر بعد میں اس خیال سے وہاں سے ہٹ گئے کہ مسلمان غالب آرہے ہیں، اور کفار شکست کھا رہے ہیں، چنانچہ مسلمانوں کو اس غلطی کی وجہ سے زبردست نقصان کا سامنا کرنا پڑا اور کچھ دیر کے لیے انہیں سخت ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا، اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حسن تدبیر اور جنگی مصلحت کو سمجھنے کا پتہ چلتا ہے، آپ توکل کرنے کی نصیحت تدبیر وحکمت اختیار کرتے ہوئے کرنے کرنے کا حکم فرماتے تھے، آپؐ فرماتے تھے کہ اونٹ کو باندھو پھر توکل کرو یعنی اونٹ کو باندھنے کی تدبیر نہ کرکے بھروسہ کرنا یہ ان شاء اللہ بھاگے گا نہیں، صحیح نہیں۔ حضورؐ نے ایران میں منجنیق (جو توپ کی طرح ہوتی تھی) بطور اسلحہ جنگ اختیار کیے جانے کو حضرت سلمان فارسیؓ سے سنا اور اختیار فرمایا، اسی طرح آپؐ نے بادشاہوں سے رابطہ کرنے میں اس دور میں رائج طریقوں کو اپنایا، چنانچہ آپؐ نے ان کے پاس خطوط روانہ کیے اور اس زمانہ کے مہذب ومثقف بادشاہوں کے رواج کے مطابق ان خطوط پر اپنی مہر لگائی، ساتھ ہی آپؐ نے لکھنے پڑھنے کو سیکھنے کا بھی حکم فرمایا بلکہ غیر عربی زبانوں کو بھی سیکھنے کا حکم دیا، آپ علم حاصل کرنے کا حکم فرماتے اور اس کی بہت تعریف کرتے تھے اور علوم کے جمع کرنے وترتیب دینے کا خاص اہتمام فرماتے تھے، آپؐ نے بعض صحابہ کو وحی الٰہی کو باقاعدہ قلم بند کرنے کے لیے منتخب فرمایا، یہ چیز اس زمانہ میں رائج نہیں تھی اور بالکل نئی تھی اس لیے کفار مکہ نے قدرے تعجب سے اس کو دیکھا اور قرآن مجید میں ایسے لوگوں کا یہ قول نقل ہوا کہ یہ قرآن دراصل عہد ماضی کا افسانہ ہے، اس کو انہوں نے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھ لیا ہے، اور وہ صبح وشام ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے، آپ کا زہد وتوکل اس دور میں رائج وسائل کو اختیار کرنے میں حارج نہیں ہوا، آپ نے کھجور کی تلقیح کو دیکھا تو اس کو نہ کرنے کی بات فرمائی، اور اس سے لوگوں کو روک دیا، لیکن جب آپ کو علم ہوا کہ ترک تلقیح سے پھلوں کو نقصان ہو رہا ہے تو انہیں اجازت دیدی اور فرمایا کہ یہ تمہارے دنیاوی معاملات میں سے ہے یعنی عام تدبیروں سے اس کا تعلق ہے جسے انسان اپنے

تجربہ اور فہم کی بنیاد پر اپناتا ہے اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دین اس سے روکتا نہیں ہے بلکہ اس کو بہ نظر تحسین دیکھتا ہے اور جب تک کوئی بات دین سے متعارض نہ ہو اس کی تحسین وستائش کرتا رہتا ہے۔

گویا اس کے ذریعہ آپؐ نے ایک عظیم بنیاد قائم کی جس پر عام مسلمان کی زندگی استوار ہو سکے وہ یہ کہ جو چیز دین کے طے شدہ امر کے خلاف نہ ہوتی ہو اس کا تعلق صرف دنیاوی معاملات وتجربات سے ہو تو مومن جس پر اپنے رب کی اطاعت کے ساتھ ساتھ دین کے احکام کی پیروی لازم ہے اس کو اختیار کرسکتا ہے یعنی اقتصادی اور سیاسی، معاشرتی و ثقافتی اور اس سے متعلق امور میں بشرطیکہ دین کے بتائے ہوئے کسی امر کے خلاف نہ پڑتے ہوں اپنی زندگی کے فائدے کے لیے اس کو اپنانے میں وہ خود مختار و آزاد ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان چیزوں کی اجازت فرمائی اور ان میں سے متعدد کو خود اختیار فرمایا اور اپنی ذاتی اور اجتماعی زندگی میں اس سلسلہ میں ایسے نقوش چھوڑے جو قیامت تک تمام بنی نوع انسان کے لیے اسوہ اور نمونہ ثابت ہوں، جس سے مسلمان اپنی دنیاوی، سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی زندگی میں رہنمائی حاصل کرے، اور مسلمان ہر زمانہ اور ہر خطہ میں اپنی معاشرتی زندگی کی تشکیل میں اس کو نقش راہ بنائے، آپؐ نے ان کو یہ اصول عطا کیا کہ وہ اپنے دینی امور میں کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ سے مستنبط شرعی احکام کی پیروی کریں اور اس سے دینی زندگیوں کی تعمیر کریں اور عام معاملات میں جسے حضورؐ اور ان کے صحابہؓ نے اپنی مبارک زندگیوں میں بطور نمونہ چھوڑا ہے یا جن کو انسانی تجربہ اور انسانی فہم پر چھوڑا ہے اس کو اپنا کر دنیاوی زندگی میں رواں دواں ہوں۔

☆☆☆☆☆

سید احمد شہید اکیڈمی کی
جدید و دیدہ زیب مطبوعات

حق وباطل کی کشمکش۔سورۂ کہف کی روشنی میں

از: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی

سورۂ کہف کی جامع تفسیر، قرآن سے شغف اور عربی زبان وادب کے خاص ذوق کی غماز!
الفاظ ومعانی کی دل کش پیرایہ میں تشریح وتطبیق، خواص وعوام دونوں کے لیے یکساں مفید!

صفحات: ۲۲۴ قیمت: ۲۰۰

ایثار کیا ہے؟

از: مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی

حدیث کی شہرۂ آفاق کتاب ''تہذیب الاخلاق'' کے ''باب الإيثار والمؤاساة'' کا درس!
خود غرضی ومادیت کے دور میں ایثار وقربانی کا جذبہ بیدار کرنے کے لیے ایک مؤثر رسالہ!
طلبہ وعلماء اور عوام سب کے لیے ایک بہترین تحفہ!

صفحات: ۵۶ قیمت: ۴۰

حلال کمائی اور اس کے ذرائع

از: مفتی راشد حسین ندوی

موجودہ حالات کے تناظر میں حلال کمائی اور اس کے ذرائع پر سیر حاصل بحث!
جدید مسائل پر فقہی بصیرت کے ساتھ مندلانہ کلام اور شرعی نقطہ نظر کی وضاحت!
طلبہ اور فقہی ذوق رکھنے والوں کے لیے ایک بہترین سوغات!

صفحات: ۱۵۲ قیمت: ۱۰۰

رابطہ: سید احمد شہید اکیڈمی

دارعرفات، میدان پور، تکیہ کلاں، رائے بریلی (موبائل9919331295)

نوٹ: یہ کتابیں لکھنؤ کے سبھی مکتبوں میں دستیاب ہیں۔

فکر و نظر

معاشرہ کی اصلاح میں دل ودماغ کا استعمال

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

دنیا میں کتنے لوگ ایسے ہیں جنہیں ہر وقت اپنے دل کو غلط خیالات سے پاک صاف رکھنے کی فکر دامن گیر رہتی ہے، اگر انسان کا دل غلط تصورات اور عیوب ونقائص سے پاک ہوتا ہے تو وہ عین فطرت انسانی کے مطابق کام کرتا ہے اور اس سے کوتاہی اور غلط کام کا ظہور نہیں ہوتا، اس کی مثال اس صحیح مشین Warking (Order) سے دی جاتی ہے جس کے تمام کل پُرزے برابر کام کرتے رہتے ہیں اور مالک کو ان پر اعتماد ہوتا ہے، اگر یہ مشین یوں ہی چھوڑ دی جائے، اس سے پرانے تیل کو نکال کر نیا تیل نہ ڈالا جائے اور خراب پرزوں کو بدلا نہ جائے تو مالک کو اس سے کم منافع حاصل ہوں گے اور ناگاہ وہ اپنا کام کرنا بھی چھوڑ دے گی، جس کی وجہ سے جملہ سرگرمیاں ٹھپ پڑ جائیں گی۔

دل انسان کے جسم میں طاقت وقوت کا سرچشمہ ہے، رگوں تک خون پہونچانے کا آلہ ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو پورا نظام جسمانی اپنا کام صحیح ڈھنگ پر انجام دیتا رہتا ہے، اور داخلی امراض سے وہ محفوظ رہتا ہے، دل جس طرح سے انسان کے جسمانی نظام کا مرکز ہوتا ہے اسی طرح اس کے روحانی نظام کا تعلق بھی دل ہی سے ہوتا ہے، جب دل پاک ہوتا ہے تو انسان کا ہر عمل درست وپاکیزہ ہوتا ہے، اس کے ذریعہ ہر پاکیزہ انسانی ضرورت کی تکمیل ہوتی ہے، یہی دل جب اللہ کے ذکر سے رطب اللسان رہتا ہے تو اس کے حامل کو روحانی غذا ملتی رہتی ہے جس کی وجہ سے وہ نرمی کے مقام پر نرمی اور سختی کے مقام پر سختی کا رویہ اختیار کرتا ہے۔

اس کے برعکس ایک گنہگار اور فاجر وفاسق شخص کے دل میں ارتکاب گناہ کے بعد ذرا کسک پیدا نہیں ہوتی، وہ برے کام میں منہمک ومصروف رہتا ہے، اقوال رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور نفس کی شیطنت کے درمیان تمیز پیدا نہیں کرتا، وہ گناہ کا اتنا عادی اور رسیا ہوجاتا ہے کہ فطرت بھی اس سے پناہ مانگتی ہے اور وہ شرافت ونجابت، زہد وقناعت اور صلاح وتقویٰ کے لبادہ کو اتار کر پھینک دیتا ہے اور قرآن کریم میں ایسے ہی لوگوں کا تذکرہ ہے: "كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ" [سورۂ مطففین: ۸۳] (ہرگز ایسا نہیں! بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال بد کا زنگ بیٹھ گیا ہے)۔

آقائے مدنی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے لوگوں کے قلوب پر غفلت ونسیان کا غلبہ تھا، ان پر کفر وشرک کا دبیز زنگ بیٹھ گیا تھا، ایمان وعمل کی کوئی جھلک بھی نہیں دکھائی دیتی تھی، شراب نوشی اور بے حیائی نے وہاں کے باشندوں کو سنجیدگی سے سوچنے کا موقع ہی فراہم نہیں کیا، ان کے نظامہائے حیات بھی اتھل پتھل کے شکار تھے، ان کی زندگی شقاوت وقساوت سے عبارت تھی، ضلالت وگمراہی عام تھی، اور ظلم وزیادتی کا بازار ان کے اندر گرم رہتا تھا، ایسے پرآشوب حالات میں آپ ﷺ کی بعثت ہوئی اور آپ ﷺ کے دوشِ ناتواں پر نبوت کی عظیم ذمہ داری ڈالی گئی، اور تعلیم وتربیت، تزکیہ واحسان اور لوگوں کے قلوب کی صفائی کی تاکید فرمائی گئی، غرض یہ کہ نبوت کے چہارگانہ صداقت سے متصف ہونے کو کہا گیا۔

قرآن کریم میں ارشاد باری ہے:

"لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ" [آل عمران: ۱۶۴] (اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انہیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا جوان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور ان کو پاک کرتے ہیں، اور (خدا کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں، اور پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے)۔

آج اگر ہم معاشرۂ انسانی پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو لوگوں کو فواحش ومنکرات میں مبتلا پاتے ہیں، عیاری، مکاری اور جعل سازی میں وہ اتنے بڑھ چکے ہیں کہ اس کی کوئی مثال نہیں ملتی، معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دلوں پر مہر لگ گئی ہے، ایسے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث ہمیں یاد آتی ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ: خبردار! جسم انسانی میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے، اگر وہ درست رہتا ہے تو پورا جسم درست رہتا ہے، اور اگر وہ بگڑ جاتا ہے تو پورے جسم کا نظام بگڑ جاتا ہے، سن لو! وہ دل ہے۔

درحقیقت قلب ہی انسان کے افکارو خیالات کا سرچشمہ ہے ،وہ خوشی ونارا ضگی، صلاح وفساد، نیکی کا حکم دینے اور بدی سے روکنے اور محبت وعداوت کے اظہار کا مرکز ہے، اسی وجہ سے اس کی طہارت ونظافت کا خیال رکھنا، اس کو اطمینان وسکون بہم پہونچانا بے حدضروری ہے ،اس حقیقت سے دنیا کے اکثر انسان نا آشنا ہیں ،حتی کہ عالمی فلسفوں اور مختلف تہذیبوں کے متوالے بھی اس سے ناواقف ہیں، انہیں اس کی بھی خبرنہیں کہ تہذیب کی تعمیروتخریب میں اس کا کیا کردار رہا ہے،اس کردار سے عدم واقفیت ہی نے یورپ کے باشندوں کودل کا مریض بنادیا ہے ،جس کی وجہ سے وہاں کثرت سے دل کے دورے پڑتے ہیں، بالآخروہ اس کی سرجری کرتے ہیں، اورفطری طریقے سے اس کو خون فراہم کرنے کا راستہ بناتے ہیں۔

امراض قلب کے بعض ماہرین کا کہنا ہے کہ اللہ کے ذکر سے ہی قلب کو تمام بیماریوں سے پاک وصاف رکھا جاسکتا ہے، جو بندہ صدق دل سے اللہ کے سامنے روتا اور گڑگڑاتا ہے اس کوقلب کی ظاہری وباطنی کوئی بیماری نہیں لاحق ہوتی ہے۔

دینی اعتبار سے قلب ایمان وایقان کا مرکز ہے، وہ کبھی کبھی اخلاقی امراض پر بندش لگانے اور اسلامی معاشرہ کی تعمیر میں ہاتھ اور زبان کا نمائندہ ہوتا ہے ،اسی طرح جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا کہ تم میں سے اگر کوئی شخص برائی دیکھے تو ہاتھ سے ختم کرنے کی کوشش کرے، اگراس کی استطاعت نہیں رکھتا تو زبان کے ذریعہ اس کوختم کرے، اگراس کی بھی استطاعت نہیں رکھتا ،تو دل سے اس کو برا سمجھے، اور یہ ایمان کا آخری درجہ ہے۔

بعض لوگوں نے صرف یہ سمجھ رکھا ہے کہ دل صرف رگوں تک خون سپلائی کرنے کا آلہ ہے، اسی پر اعتماد کرکے انہوں نے قلب کی فعالیت اور تاثیر سے چشم پوشی کی اوراس کو صاف وستھرا رکھنے کے وسائل فراہم نہیں کیے، چنانچہ وہ خسارہ میں رہے، دل کوصرف رگوں اور جسم کے پورے حصے میں خون پہونچانے کا آلہ سمجھنا، ذکر و اذکار سے اس کو پاک نہ کرنا اور اس کے قائدانہ کردار سے تغافل برتنا یہ سب غیر دانشمندانہ اور غیر اسلامی اعمال ہیں اور اسلام قطعاً اس کی اجازت نہیں دیتا، بلکہ وہ تو ذکر و اذکار ،توجہ وانابت الی اللہ میں مشغول رکھنے کا حکم دیتا ہے، کیونکہ ان کے ذریعہ انسان کوفکری و روحانی غذا ملتی ہے، اور ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ:

"إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ" [سورہ حم السجدۃ:۳۰] (جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر وہ اس پر قائم رہے، ان پر فرشتے اتریں گے (اور کہیں گے) کہ نہ خوف کرو، اور نہ غمناک ہو اور جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا اس کی خوشخبری حاصل کرو)۔

قرآن کریم کی اس آیت سے زیادہ قوی کیا کوئی دلیل ہوسکتی ہے کہ جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ ایمان کے حاملین کے قلوب پر نہ دنیا میں غم کا اثر ہوگا اور نہ آخرت میں وہ پریشان ہوں گے، وہ جنت کی سدا بہار ولازوال نعمتوں کے بیچ زندگی گذاریں گے اور ان کو ایسی دائمی زندگی نصیب ہوگی جو کبھی فنا نہیں ہوگی اور ایسی خوشی حاصل ہوگی جس کا اندازہ اس دنیاوی زندگی میں نہیں لگایا جاسکتا، یہی وجہ ہے کہ مذہب اسلام اطاعت وفرمانبرداری میں ایک دوسرے سے سبقت کرنے اور معاشرۂ انسانی میں احکام الٰہی کے نفاذ کی ترغیب دیتا ہے اور اس دین قیم کی نشر واشاعت پر مامور کرتا ہے جس کی تمام تر توجہات قلب ہی پر مرکوز ہوتی ہیں، اسلام، اسلامی تہذیب کے ان بنیادی ستونوں کو مضبوطی کے ساتھ تھامنے کا حکم دیتا ہے جو آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یوں بیان کیے گئے ہیں کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم ہے: ۱- کلمۂ طیبہ کی گواہی دینا، ۲- نماز قائم کرنا ،۳- زکوٰۃ ادا کرنا،۴- رمضان المبارک کے روزے رکھنا،۵- بیت اللہ شریف کا حج کرنا۔

ان بنیادی احکامات پر عمل کرنے والے افراد ہی قلب سلیم کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں، وہ زمانہ کا شکوہ نہیں کرتے، بلکہ ایمان کامل کے ہتھیار سے لیس ہوکر زمانہ کا مقابلہ کرتے ہیں، اور اس سلسلہ میں ابوالآنبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کسب فیض کرتے ہیں ،جن کی زندگی کا ابتدائی مرحلہ شرک پرستی وبت پرستی سے پراگندہ ماحول میں گزرا تھا، لیکن انہوں نے لوگوں تک خدا کا حقیقی پیغام پہونچایا، نامساعد حالات کی پرواہ نہیں کی ،بادشاہ وقت نمرود کی طرف سے آگ میں ڈالے جانے کا جو منصوبہ طے پایا تھا اس سے بھی خوف نہیں کھایا، نہ اس سے دل برداشتہ ہوئے اور نہ شرک سے سمجھوتہ

کیا۔ بقول شاعر:

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لب بام ابھی

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اس قائدانہ کردار سے بنی نوع انساں کو ایک نیا راستہ دکھایا اور یہ تعلیم دی کہ اگر انسان ایسے ماحول میں ہو جہاں شرک و بت پرستی عام ہو، مجاورین اور پروہتوں کی کثرت ہو، اور حالات صحیح رخ اختیار نہ کر سکے ہوں، اسلام دشمن طاقتیں برسرِ پیکار ہوں تو گھبرانے کی قطعاً ضرورت نہیں، بلکہ اپنے قلب کے اندر ایمان کی شمع روشن کر کے دعوتی فریضہ کو بحسن وخوبی انجام دینے کی ضرورت ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا عملی نمونہ بھی پیش کیا، کیونکہ وہ وسیع دماغ کے مالک تھے، قلب سلیم جیسی عظیم نعمت ان کو حاصل تھی، امن وامان اور چین وسکون کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے، ان پر رحمت کی گھٹائیں چھائی رہیں، ہر طرف سے خدا کا تحفظ حاصل رہا، وہ خدا کے فرمانبردار، کلمۂ توحید کو بلند کرنے والے اور عظیم داعی الی اللہ تھے، بالآخر طاغوتی طاقتوں کا سر نیچا ہوا، حق کا بول بالا ہوا، ایمان کامل اور قلب سلیم جیسے ہتھیار نے اپنا کام کر دکھایا۔

اس وقت ہمیں بھی حالات حاضرہ کے پیش نظر اپنے دل ودماغ کی صلاحیتوں کو صحیح ڈھنگ سے استعمال کر کے معاشرہ کی اصلاح میں تعمیری کردار ادا کرنے کی بے حد ضرورت ہے تاکہ دنیا سے شر وفساد اور بگاڑ کا خاتمہ ہو اور لوگ فطرت کے مطابق زندگی بسر کریں۔

☆☆☆☆☆

صلِّ علی ہے نسخۂ تسخیرِ کائنات

تخلیق تیری مقصدِ تخلیقِ کائنات
میلاد تیری باعثِ تنویرِ کائنات

لولاک میں ہے نکتۂ آغاز کائنات
افلاک پر ہے طلعتِ مہتاب کائنات

آئینہ دار رتبۂ والشّمس والقمر
ہستی میں آپکی ملے انوارِ کائنات

شامِ ازل میں مطلعِ نورِ سحر ہیں آپ
صیقل ہوئی ہے آپ سے تصویرِ کائنات

رفعت ہے تری معنیٔ رفعت سے بھی بلند
عظمت کا قدرداں تری خلاق کائنات

واللہ آپ نقشِ ازل کے ہیں شاہکار!
اور نقشِ پا میں آپ کے ہے نقشِ کائنات

بعثت دلیل قربِ قیامت ہے آپکی
یعنی وجود آپ کا انجام کائنات

صلِّ علی کے ورد میں نعماں نجات ہے
صلِّ علی ہے نسخۂ تسخیر کائنات

از: محمد نعمان اکرمی ندوی
بھٹکل، کرناٹک

حالات حاضرہ

ناخوشگوار حالات میں ہماری ذمہ داری

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

اس وقت جن مسائل نے ملت کے رہنماؤں کو تشویش میں ڈال رکھا ہے، ان میں سرفہرست بعض مسلمان لڑکیوں کی غیر مسلم لڑکوں کے ساتھ نکاح کا مسئلہ ہے، یہ رشتہ اگرچہ شرعی اعتبار سے معتبر نہیں ہے؛ لیکن قانون کی نظر میں اس کا اعتبار ہے، یوں تو اس طرح کے واقعات ہمیشہ سے پیش آتے رہے ہیں، مسلمان مردوں کا غیر مسلم عورتوں سے اور مسلمان عورتوں کا غیر مسلم مردوں سے نکاح، فلمی دنیا اور سیاست کی دنیا میں اس طرح کے واقعات زیادہ پیش آیا کرتے رہے ہیں؛ لیکن اب اس میں دو ایسی باتیں شامل ہوگئی ہیں، جن کی وجہ سے، بجا طور پر زیادہ تشویش پائی جاتی ہے، ایک یہ کہ پہلے اس طرح کے واقعات اتفاقی طور پر پیش آیا کرتے تھے اور زیادہ تر شخصی پیار ومحبت کا نتیجہ ہوتے تھے؛ لیکن اب فرقہ پرست عناصر کی طرف سے منصوبہ بندی کے ساتھ اس کی کوشش کی جارہی ہے اور اس کا اعلان واظہار بھی کیا جاتا ہے؛ تاکہ مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ رسوا کیا جائے، دوسرا سبب یہ ہے کہ بہت سے مسلمان رہنما بھی اس کے عواقب پر غور کیے بغیر بہت بڑھا چڑھا کر مبالغہ کے ساتھ ایسے واقعات کے اعداد وشمار اپنی تقریروں اور تحریروں میں نقل کر رہے ہیں؛ حالاں کہ اِس بڑی تعداد میں ایسے واقعات کا کوئی معتبر ثبوت موجود نہیں ہے، میرج رجسٹریشن آفس میں ضرور اس کا ریکارڈ ہوتا ہے؛ لیکن وہ اتنا نہیں ہے جو کہا جاتا ہے، اور اس میں دونوں طرح کے واقعات ہیں، جیسے مسلمان لڑکیوں کے غیر مسلم لڑکوں کے ساتھ رشتۂ ازدواج کے رجسٹریشن ہو رہے ہیں، اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر غیر مسلم لڑکیوں کے بھی مسلمان لڑکوں کے ساتھ نکاح کے واقعات درج ہوتے ہیں۔

یہ سمجھنا بھی درست نہیں ہوگا کہ نعوذ باللہ مسلمان لڑکیوں کی بڑی تعداد مرتد ہو رہی ہے، اور مرتد ہونے کے بعد وہ اپنا جوڑا غیر مسلم سماج میں تلاش کر رہی ہے، جیسا کہ نو مسلم لڑکیاں مسلمان ہونے کے بعد مسلمان لڑکوں سے شادی کی خواہاں ہوتی ہیں؛ بلکہ زیادہ تر وہ صرف اپنی شادی کسی خاص سبب کے تحت غیر مسلم آشنا سے کرنا چاہتی ہیں، یا اس پر آمادہ ہو جاتی ہیں، عام طور پر وہ اپنا مذہب بدلنا نہیں چاہتیں، تعلیمی اداروں میں مغرب کا کلچر تیزی سے آرہا ہے کہ وقتی پیار ومحبت کو نکاح کی شکل دے دی جائے اور دونوں اپنے اپنے مذہب پر قائم رہیں؛ اس لیے ایسے سارے واقعات ارتداد پر مبنی نہیں ہیں؛ بلکہ زیادہ تر بوالہوسی پر مبنی ہیں، دوسرے یاد رکھنا چاہیے کہ ایسے واقعات کا چرچا کرنے سے ملت میں شکست خوردگی کا احساس بڑھ جاتا ہے اور قوم اجتماعی سطح پر مرعوبیت کا شکار ہو جاتی ہے، یہ احساس کمتری اس میں بزدلی اور سپر اندازی کا مزاج پیدا کر دیتی ہے؛ اس لیے ایسی غیر مصدقہ باتوں کو زیادہ مشتہر کرنا بحیثیت مجموعی امت کے لیے نقصاندہ ہے، اور جب بد قماش لوگ سنتے ہیں کہ اتنا ے سارے لوگوں نے یہ راہ اپنالی ہے تو پھر اس کی برائی کا احساس بھی ان کے دل میں کم ہو جاتا ہے؛ اس لیے اصلاحی کوششیں تو ضرور کرنی چاہئے؛ لیکن اس کو ایسا موضوع نہیں بنا دینا چاہیے کہ جو نوجوان اس قسم کی بات سوچ رہے ہوں، گناہ کے ارتکاب میں اُن کی ہمت بڑھ جائے کہ جب قوم کے اتنے سارے لوگ اس میں مبتلا ہیں تو اگر میں بھی اس حمام میں اتر جاؤں تو کیا برا ہے؟

اسلام کا تصور یہ ہے کہ رشتۂ نکاح میں دونوں فریق کے درمیان زیادہ سے زیادہ ہم آہنگی ہونی چاہیے، یہ ہم آہنگی رشتوں کو پائیدار بناتی ہے، جو لوگ وقتی طور پر کسی پر دل پھینک دیتے ہیں اور اس بنیاد پر ازدواجی رشتہ سے بندھتے ہیں، عموماً ان کے درمیان تعلق میں استحکام باقی نہیں رہتا، ہم آہنگی کے لیے ایک ضروری شرط فکر وعقیدہ کی موافقت بھی ہے، سوچئے کہ اگر ایک شخص اللہ کو ایک مانتا ہو اور اللہ کے سوا کسی کے سامنے اپنی پیشانی رکھنے کو سب سے بڑا جرم تصور کرتا ہو، اس کی اس شخص کے ساتھ ۲۴ رگھنٹے کی زندگی میں کیسے موافقت ہوسکتی ہے، جو سینکڑوں مخلوقات کا پجاری ہو، جب دونوں کے مذہبی تہوار آئیں گے تو اگر وہ اپنے نظریہ میں سنجیدہ اور سچا ہو تو کیا ان کے درمیان نزاع پیدا نہیں ہوگی؟ جب اولاد کی تعلیم وتربیت اور ان کی مذہبی وابستگی کا مسئلہ آئے گا تو کیا آپس میں کھینچ تان کی نوبت نہیں آئے گی؟ یقیناً آئے گی؛ اسی لیے اسلام میں جو چیزیں نکاح میں رکاوٹ مانی گئی ہیں، جن کو فقہ کی اصطلاح میں ''موانع نکاح'' کہا جاتا ہے، ان میں ایک اختلاف دین بھی ہے۔

اگر گہرائی کے ساتھ غور کیا جائے تو غیر مسلم لڑکوں کے ساتھ شادی کے واقعات کے بظاہر چار بنیادی اسباب ہیں، اول: شادی کی فضول خرچیاں، دوسرے: مسلمان لڑکوں کی تعلیمی پسماندگی،

تیسرے: مخلوط تعلیم، چوتھے: مخلوط ماحول کی ملازمت۔ شادی میں فضول خرچی اس درجہ بڑھ گئی ہے کہ اب عام لوگوں کی شادیاں پرانے نوابوں اور راجاؤں کی شادیوں میں ہونے والے تزک و احتشام کو بھی مات کررہی ہیں، دولت مند طبقوں نے اس کو اپنی مالی فراوانی کے مظاہرہ کا ذریعہ بنالیا ہے، درمیانی طبقہ اس کی وجہ سے بعض اوقات در ودیوار تک بیچنے پر مجبور ہوجاتا ہے اور کمزور طبقہ اگر دین سے بے بہرہ ہوتو چاہتا ہے کہ کسی طرح اپنے جگر گوشہ کے بوجھ سے نجات پاجائے، خواہ وہ کسی مسلمان کے گھر میں جائے یا غیر مسلم کے، جب تک معاشرہ کے دولت مند لوگ سادگی کو اختیار نہ کریں گے، اس صورت حال میں کسی تبدیلی کا امکان نہیں، اس کے لیے ضروری ہے کہ جیسے قدرتی آفات کے مواقع پر مدد اور بچاؤ کی مہم شروع کی جاتی ہے، اسی طرح نکاح میں سادگی پیدا کرنے کے لیے علماء و مشائخ، سماجی وسیاسی رہنما، صحافی اور اہل علم ودانش، مذہبی تنظیموں اور جماعتوں کے کارکنان ایک مہم چلائیں اور گھر گھر دستک دے کر انھیں سادہ طریقہ پر تقریب نکاح انجام دینے کی دعوت دیں۔

تعلیمی صورت حال یہ ہے کہ لڑکیاں تعلیم میں آگے بڑھتی جاتی ہیں اور لگتا ہے کہ لڑکوں نے پیچھے کی طرف اپنا سفر شروع کررکھا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تعلیم یافتہ لڑکیوں کو ان کے جوڑ کے لڑکے میسر نہیں ہوتے، موجودہ حالات میں لڑکیوں کو اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ تعلیم کو ترک کردیں، بالخصوص ان حالات میں کہ زندگی کے تمام شعبوں میں خواتین کے لیے ۵۰ فیصد حصہ داری کی کوشش کی جارہی ہے، ان حالات میں اگر مسلمان لڑکیاں تعلیم ترک کردیں تو ۵۰ سیٹیں بغیر کسی جد وجہد کے دوسروں کے ہاتھ میں چلی جائیں گی، اور پھر حصول تعلیم میں جو مسابقت جاری ہے، خاص کر لڑکیوں کو جو سہولت دی جارہی ہے، اس کے بعد اس سلسلہ میں آپ کی نصیحت نتیجہ خیز بھی نہیں ہوسکتی؛ اس لیے لڑکوں میں یہ مزاج پیدا کرنا ہوگا کہ وہ تعلیمی جدوجہد میں اپنے قدم آگے بڑھائیں، اگر ہر مسلمان گھر میں یہ فکر جاگ جائے تو اس کی نوبت نہیں آئے گی کہ تعلیم یافتہ نوجوان لڑکیوں کو ان کے جوڑ کا رشتہ نہیں مل پائے، دوسری طرف تعلیم یافتہ لڑکیوں کی ذہنی اور فکری تربیت کرنے کی ضرورت ہے کہ ایک مسلمان کے لیے اصل وجہ افتخار اس کا صاحب ایمان ہونا ہے، نہ کہ اس کا زیادہ تعلیم یافتہ اور اونچے ذریعہ معاش کا حامل ہونا؛ کیوں کہ تعلیم اور دولت کی کوئی نہایت نہیں، ایمان اس سے بھی قیمتی جوہر ہے، کسی مسلمان لڑکی کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی عار کی بات نہیں ہوسکتی کہ اس نے ایمان سے محروم شخص کو اپنا رفیق زندگی بنار کھا ہو۔

ان واقعات کا تیسرا سبب 'مخلوط تعلیم' ہے، لڑکوں اور لڑکیوں کا اختلاط نہ صرف اخلاقی اعتبار سے نقصاندہ ہے؛ بلکہ تدریسی نفسیات کے اعتبار سے بھی مضر ہے، مگر افسوس کہ مسلمانوں کے زیر انتظام جو درسگاہیں قائم ہیں، ان میں بھی بڑے فخر کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ یہاں 'کوایجوکیشن' (مخلوط تعلیم) ہے، مخلوط تعلیم کا یہ نظام نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ پورے ہندوستانی سماج کو غیر معمولی اخلاقی نقصان پہنچا رہا ہے؛ اس لیے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے کم سے کم جونیئر کالج کی سطح تک زیادہ سے زیادہ الگ الگ درسگاہیں قائم کریں اور پیشہ وارانہ تعلیم کے کالجوں میں اگر جداگانہ درسگاہوں کا قیام دشوار ہوتو کم سے کم کلاس روم میں ایسی عارضی دیواریں رکھی جائیں، جو لڑکوں اور لڑکیوں کی نشست گاہوں کو الگ رکھتی ہوں، نیز مسلم علاقوں میں گورنمنٹ سے گرلس اسکول اور گرلس کالج قائم کرانے کی کوششیں کی جائیں، اللہ کا شکر ہے کہ اس وقت ملک کے اکثر چھوٹے بڑے شہروں میں مسلمان تعلیمی ادارے قائم کررہے ہیں، اگر تمام مسلمان طے کرلیں کہ وہ پرائمری اسکول کی سطح سے اوپر لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے الگ الگ درسگاہوں کا نظم کریں گے تو اندازہ ہے کہ ۵۰/ فیصد مسلمان طلبہ وطالبات ان شاء اللہ مخلوط تعلیم کی برائیوں سے بچ جائیں گے۔

ایسے ناخوشگوار واقعہ کا چوتھا سبب مسلمان لڑکیوں کا مخلوط ماحول میں بالخصوص کال سینٹروں میں ملازمت کرنا ہے، جو لڑکے اور لڑکیاں کال سینٹروں میں ملازمت کرتے ہیں، اکثر وہ رات کے وقت ایک ہی ٹیکسی میں سفر کرکے اپنے دفتر پہنچتے ہیں، ان کی رات ایک دوسرے کے ساتھ تنہائی میں گزرتی ہے، آپس میں مستقل طور پر گفتگو کی اور ساتھ کھانے پینے کی نوبت آتی ہے، اس طرح جوان لڑکوں اور لڑکیوں کا ایک ساتھ مل کر کام کرنا آگ اور پٹرول کو ایک جگہ جمع کرنا ہے؛ اس لیے ماں باپ اور گارجین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس معاملہ میں پوری احتیاط سے کام لیں، لڑکیوں کو ایسی ملازمت کی اجازت نہیں دیں اور اپنے بچوں کی تربیت کریں۔

گو ایسے ناخوشگوار حالات کے لیے اور بھی اسباب ہیں؛ لیکن وہ اِکا دُکا واقعات کا سبب بنتے ہیں، یہ چار اسباب زیادہ اہم ہیں، اور ضروری ہے کہ مسلمان اس پر توجہ دیں اور اُمت کے ارباب حل وعقد پوری سنجیدگی کے ساتھ اس ناگفتہ صورت حال پر غور کریں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آج کی غفلت کل کے سیلاب کا پیش خیمہ بن جائے اور پھر اس پر بند باندھنا ممکن نہ رہے!!!

☆☆☆☆☆

یاد رفتگاں

علامہ یوسف القرضاوی کی رحلت

مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی

علامہ یوسف القرضاوی کی وفات امت اسلامیہ کے لیے بڑا حادثہ ہے، اس وقت ان کی شخصیت پورے عالم اسلام کے لیے ایک عظیم نعمت تھی، ان کی جرأت ایمانی، ان کے علم کی گہرائی، ان کے فکر کی وسعت وآفاقیت، امت کے لیے ان کا درد اور پھر اللہ کے لیے ان کی قربانیاں، ان کی زندگی کی شہ سرخیاں ہیں، انہوں نے ایک طویل عمر پائی اور چھیانوے سال کی عمر میں وہ اس عالم فانی سے رخصت ہوئے، لیکن اخیر تک وہ دعوت کے امین بن کر رہے اور اسلام کی ترجمانی کرتے ہوئے جان دی۔

علامہ نے اس وقت کے ازہر میں تعلیم حاصل کی، جب وہاں اساطین علم وادب موجود تھے، انہوں نے ان سے فائدہ اٹھایا، لیکن شیخ محمد الغزالی سے وہ سب سے زیادہ قریب رہے اور ان سے بھرپور استفادہ کیا، وہ اخوان کے ترجمان رہے اور اس سلسلہ میں ان کو بڑی قربانیوں سے گذرنا پڑا، جن کو انہوں نے ایمانی قوت اور پوری بشاشت کے ساتھ برداشت کیا، یہ واقعہ راقم نے خود ان سے سنا کہ جیل میں ان کے گھٹنوں پر دہی ڈال دیا جاتا تھا، پھر کتوں سے اس کو چٹوایا جاتا تھا، جس کے نتیجہ میں ان کے گھٹنوں میں مسلسل تکلیف رہنے لگی، اس کے علاوہ سخت سے سخت اذیتیں دی گئیں، پھر اللہ نے اس مشکل سے نکالا اور انہوں نے مصر سے ہجرت کی اور اخیر میں ایک طویل دور قطر میں گذارا۔

ان کا مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے بڑا گہرا تعلق تھا جو ان کے مضامین اور تقریروں سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔

حضرت مولاناؒ جب ۱۹۵۱ء میں مصر تشریف لے گئے تو اس وقت علامہ ازہر میں زیر تعلیم تھے، وہاں کے جو طلبہ حضرت مولانا سے بہت مانوس ہوئے ان میں علامہ قرضاوی بھی تھے، ان کے اس وقت کے رفقاء میں شیخ امین سراج بھی تھے جو بعد میں ترکی میں مسجد الفاتح کے خطیب ہوئے، حضرت مولانا نے ان کو چلتے وقت وصیت کے طور پر کہا تھا کہ وہ ترکی میں مکاتب قائم کریں، انہوں نے اس کی کوشش کی، جس کے نتائج آج سامنے ہیں، حضرت مولاناؒ سے راقم نے سنا کہ ایک مرتبہ وہاں کے قیام میں کچھ طلبہ آئے، ان کے سامنے "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" کا ذکر ہوا، تو انہوں نے لاعلمی ظاہر کی، حضرت فرماتے ہیں کہ ہمارے منہ سے نکلا "جس نے ماذا خسر نہیں پڑھی وہ پڑھا لکھا آدمی نہیں سمجھا جاتا، بعد میں ندامت ہوئی کہ ہم نے یہ کیا کہہ دیا!" اتفاق سے اس کے بعد قرضاوی صاحب سے ملاقات ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ ہمارے یہاں مشہور ہے کہ جس نے "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" نہیں پڑھی وہ پڑھا لکھا آدمی نہیں سمجھا جاتا۔

علامہ کا یہ تعلق اخیر تک قائم رہا، حضرت کا وفات سے تین چار سال پہلے قطر کا سفر ہوا، علامہ نے حضرت کا پروگرام اپنی مسجد میں رکھا جس میں حضرت کی تاریخی تقریر ہوئی، جو "قیمة الأمة الاسلامية بين الأمم ودورها في العالم" کے عنوان سے چھپی، تقریر سے پہلے قرضاوی صاحب نے حضرت مولانا کا بڑے بلیغ انداز میں تعارف کرایا، جس سے ان کی آخری درجہ کی محبت وعقیدت جھلکتی ہے۔

حضرت مولانا کی وفات کے بعد وہ تعزیت کے لیے لکھنؤ تشریف لائے اور رائے بریلی میں حضرت کے مرقد پر بھی حاضر ہوئے، یہاں کے مدارس بھی دیکھے اور حضرت سے اپنے خصوصی تعلق واستفادہ کا ذکر کیا اور حضرت پر مستقل ایک کتاب بھی "الشيخ أبو الحسن الندوي كما عرفته" کے نام سے تصنیف کی جس میں کھل کر حضرت کے علم وفضل کا اعتراف کیا۔ اس سے پہلے کئی مرتبہ لکھنؤ ان کی تشریف آوری ہوئی، مہرجان تعلیمی میں وہ شریک تھے اور حضرت مولانا نے اپنی وفات سے چند سال پہلے ندوۃ العلماء میں محاضرات کے لیے ان کو دعوت دی، وہ ایک ہفتہ کے لیے تشریف لائے اور روزانہ مختلف موضوعات پر ان کے محاضرات ہوتے رہے، اکثر محاضرات میں حضرت مولانا خود بھی شریک ہوئے۔

وہ اس دور میں امت کے لیے بڑا سرمایہ تھے، اخیر تک وہ امت کو فائدہ پہنچاتے رہے، ان کی محققانہ وفاضلانہ تصنیفات قیمتی سرمایہ ہیں، جن سے امت فائدہ اٹھاتی رہے گی، ان کی وفات امت کے لیے بڑا خسارہ ہے، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کا نعم البدل امت کو عطا کرے، آمین۔

☆☆☆☆☆

راہِ عمل

بشریت کی نجات کے لیے نسخۂ کامل

مولانا محمد طارق نعمان

اسلامی مہینوں کے اعتبار سے یہ مہینہ ربیع الاول کہلاتا ہے، اس مہینہ کو یہ فضیلت اور اعزاز حاصل ہے کہ اس میں محسن انسانیت، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی، عربی زبان میں ربیع بہار کو کہتے ہیں، بہار جب آتی ہے غنچے چٹکتے ہیں، پھول کھلتے ہیں، کلیاں مسکراتی ہیں، سبزہ زار مہک اٹھتے ہیں، پرندے چہچہاتے ہیں، بہار کی آمد سے دل ودماغ معطر ہوجاتے ہیں اور ہر طرف ایک کیف ومستی اور سرور کا عالم ہوتا ہے، آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے عرب کی ویران وادی میں بہار آئی تھی، بی بی آمنہ کے گھر کے آنگن میں ایک صدا بہار پھول کھلا تھا جس کی مہک سے ساری کائنات معطر ہوگئی تھی، دلوں کے خلوت کدے روشن ہوگئے تھے، تھکی ماندی انسانیت کو شادمانی نصیب ہوئی، نسلِ آدم کا وقار بلند ہوا، شرف انسانی کو معراج نصیب ہوئی، عظمت انسانی کو سربلندی ملی، خاک کے ذروں کو حیات نو ملی، یہ آنے والی بہار اور اس میں کھلنے والا پھول حسنِ ازل کی تجلی خاص اور جانِ کائنات فخرِ موجودات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے بہار ہی بہار آئی۔

اس مبارک ماہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت بھی ہوئی اور اسی ماہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوئے جو اس دنیا والوں کے لیے سب سے بڑا حادثہ رہا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے قبل ساری دنیا میں عموماً اور عرب علاقوں میں خصوصاً جہالت کی انتہا تھی اور عرب لوگ اپنی بچیوں کو زندہ درگور کردیتے تھے، اس بات پر کہ ایک قبیلے کا اونٹ دوسرے قبیلے کے اونٹ سے پہلے تالاب سے پانی پی لیتا، دو قبائل میں کئی سال تک جنگ جاری رہتی، ایسے کفر وجہالت کے دور میں اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ کے ۶۳ر سال اور نبوت کے عہدے پر سرفراز ہونے کے صرف ۲۳ر سال میں اللہ کے فضل سے ایسی محنت کی کہ اپنی بچیوں کو زندہ دفن کردینے والی جاہل قوم ایسی باکردار ہوگئی کہ بچیوں کی پیدائش پہ خوشی کا اظہار کرتی اور ان کے مان پورے کرنا اپنا حق سمجھنے لگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم منصف اعظم تھے، آپ کے وصال کے بعد انصاف کا یہ عالم کہ حضرت عمر کے دور میں شیر اور بکری ایک گھاٹ سے پانی پیتے تھے اور شیر میں یہ مجال نہیں تھی کہ وہ بکری پر حملہ کرتا۔

جب حضرت عمرؓ کا انتقال ہوا تو آپ کی سلطنت کے دور دراز علاقے کا ایک چرواہا بھاگتا ہوا آیا اور چیخ کر بولا:

لوگو! حضرت عمرؓ کا انتقال ہوگیا ہے، لوگوں نے حیرت سے پوچھا کہ تم مدینہ سے ہزاروں میل دور جنگل میں ہو، تمہیں اس سانحہ کی اطلاع کس نے دی؟

چرواہا بولا! جب تک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ زندہ تھے میری بھیڑیں جنگل میں بے خوف پھرتی تھیں اور کوئی درندہ ان کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتا تھا لیکن آج پہلی بار ایک بھیڑیا میری بھیڑ کا بچہ اٹھا کر لے گیا، میں نے بھیڑیے کی جرأت سے جان لیا، آج دنیا میں عمر فاروقؓ موجود نہیں ہیں چنانچہ ان لوگوں نے جب تحقیق کی تو پتہ چلا کہ اسی روز حضرت عمرؓ کا انتقال ہوا ہے۔

اندھیری رات میں ماں بچی سے کہتی کہ دودھ میں پانی ملادے خلیفہ تو نہیں دیکھ رہے ہیں تو ایمان کی طاقت سے سرشار بچی کہتی ہے کہ ماں امیر المؤمنین نہ دیکھیں تو کیا ہوا میرا تمہارا اور امیر المومنین کا رب تو ہمیں دیکھ رہا ہے، اور میں کیسے دودھ میں پانی ملانے والا دھوکے کا کام کرسکتی ہوں:

یہ سب رعنائیاں تھیں اک وجودِ پاک کی خاطر
یہ نقش آرائیاں تھیں سید لولاک کی خاطر

یہ وہ حالات تھے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے بعد عام مسلمانوں اور امراء کے تھے لیکن زمانہ گذرنے کے ساتھ شیطان نے اپنا کام کرنا شروع کردیا، لوگ دین اور اسلام کی تعلیمات سے دور ہونے لگے، اور مسلمان جن کی آدھی دنیا پر حکومت تھی، آہستہ آہستہ زوال پذیر ہونے لگے، ایسے زوال آمادہ دور میں مسلمانوں کی دنیاوی اور اخروی کامیابی کا واحد حل یہی ہے کہ وہ مخبر صادق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو اپنی زندگی میں لائیں، اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں اور کفر والحاد ترک کریں لیکن دنیا اور مادہ پرستی کی دعوت اس قدر عام ہے کہ دین غالب ہونے کے بجائے مغلوب ہورہا ہے، مسلمان کو پتہ ہی نہیں کہ اس کی پیدائش سے

موت تک زندگی کے ہر موڑ اور ہر منزل پر اللہ کا حکم کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک طریقہ کیا ہے۔ اللہ نے قران کریم کی قیامت تک حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کرم اور فضل کیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلوت اور جلوت غرض زندگی کے ہر پہلو کو سیرت پاک اور سنت نبویؐ کے طریقوں کو قران و حدیث میں محفوظ کر دیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کے کئی پہلو ہیں جن کا اعادہ اس ماہ میں خصوصیت سے اور زندگی بھر حسب ضرورت ہونا ضروری ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ سماجی زندگی، گھریلو زندگی ازواج مطہرات کے ساتھ روابط سیاسی زندگی دین اسلام کی دعوت غزوات کے دوران عمل کفار کے ساتھ طرز عمل طب نبوی اور پیدائش سے لے کر موت تک انسانی زندگی کے ہر پہلو پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک انسانوں کے لئے مشعل راہ ہے۔

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اوراک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا
وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کا ایک روشن ستارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک اخلاق ہیں، سورہ قلم میں اللہ پاک کا ارشاد ہے کہ: "و انك لعلى خلق عظيم" (اور آپؐ کے اخلاق بہت اعلیٰ ہیں) سارا قران ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق ہے، انسانی زندگی عمل سے عبارت ہے، انفرادی طور پر انسان کی سیرت اس کے اخلاق و کردار سے ظاہر ہوتی ہے اور اجتماعی طور پر معاشرت تہذیب و تمدن اور بین الاقوامی تعلقات کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے، زندگی کے ان انفرادی اور اجتماعی دو دائروں میں اگر زندگی مثالی گذرے تو وہ اللہ کی مرضی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کے مطابق ہوگی اور اللہ کے ہاں پسندیدہ ہوگی۔

دنیا کے انسانوں کو مثالی شخصیت کی تلاش تھی اور وہ مثالی شخصیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کے اخلاق سب سے افضل و اعلیٰ ہیں جنہوں نے انسانیت کی اعلیٰ و ارفع مثالیں پیش کیں، ایک خاتون مسلسل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر کچرا ڈالتی تھی، اس خاتون سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہتر معاملہ فرمایا تو وہ قبولیت اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئی:

وہ پتھر مارنے والوں کو دیتے ہیں دعا اکثر
کوئی لاؤ مثال ایسی شرافت ہو تو ایسی ہو

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سراپا اعلیٰ اخلاق و کردار کی مالک تھی اور اس روئے زمین پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی اور نے بہتر انسانی اخلاق کی مثال پیش نہیں کی، واقعہ معراج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں چمکتا ایک درخشاں ستارہ ہے، اس واقعہ کی تصدیق پر حضرت ابوبکرؓ کو صدیق کا لقب ملا، قرآن شریف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا عظیم معجزہ ہے جو قیامت تک باقی رہے گا، دیگر انبیاء علیہ السلام کو ملنے والے معجزے ان کی حیات میں رہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ قران کریم قیامت تک باقی رہے گا۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اہم پہلو معاشرتی اور تمدنی زندگی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح کر دیا کہ نکاح سنت ہے اس سنت کو اپنی عفت کو بچانے اور نسل انسانی کو بڑھانے کے لیے اختیار کیا جائے، اگر کسی میں نکاح کی گنجائش نہ ہو تو اس سے کہا گیا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روزے رکھا کرے تاکہ اس کی نفسانی خواہشات پر قابو پایا جا سکے، نکاح کے لیے لڑکی میں دینداری اور حسب نسب دیکھنے کے لیے کہا گیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ نکاح کو آسان بناؤ تاکہ زنا مشکل ہو جائے، شادی کے ایک مقصد جیسا کہ کہا گیا حصول اولاد ہے، چنانچہ بچوں کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ جب بچہ پیدا ہو تو اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کے کلمات کہے جائیں، ساتویں دن بچے کا عقیقہ کیا جائے، بال صاف کیے جائیں اور اس کا اچھا سا اسلامی نام رکھا جائے، لڑکا ہو تو اس کا ختنہ کیا جائے، بچہ جب بات کرنے لگے تو اسے پہلے کلمہ سکھایا جائے، جب اس کی تعلیم کا مرحلہ در پیش ہو تو اس کی دینی تعلیم کا اہتمام کیا جائے، دنیاوی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم لازمی ہے، بچہ جب سات سال کا ہو تو اسے نماز کی ترغیب دی جائے اور جب وہ بالغ ہو تو اس پر نماز کے لیے سختی کی جائے، اس کی بہتر تربیت کی جائے، اللہ کے رسول نے جوان بچوں کا جلد نکاح کر دینے کی ترغیب دی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ مسلمانوں کو تین کاموں میں جلدی کرنی چاہیے، ایک جب نماز کا وقت ہو تو فوری نماز ادا کی جائے، دوسرے جب اولاد جوان ہو تو اس کی فوراً شادی کی جائے، تیسرے جب کسی کی موت واقع ہو تو اسے فوری دفن کرنے کا اہتمام کیا جائے، اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو کھانے پینے لباس.....

.....بقیہ صفحہ ۲۳ پر

تحریکِ ندوہ

ندوۃ العلماء اور انگریزی زبان

ڈاکٹر عبید الرحمٰن ندوی

۱۸۵۷ء کا غدر ہندوستانیوں کے لیے خاص طور پر مسلمانوں کے لیے اہم موڑ تھا، سیاسی اقتدار ان کے ہاتھوں سے انگریزوں کو منتقل ہونے کی وجہ سے وہ زیادہ متاثر ہوئے، ۱۸۶۶ء میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور ان کے روشن خیال دوستوں نے دارالعلوم دیوبند قائم کیا تاکہ اسلام کو انگریزوں کے حملے سے بچایا جا سکے اور ۱۸۵۷ء میں جو کچھ انہوں نے کھویا اس کی تلافی کے لیے انہیں تیار کیا جائے، دارالعلوم کا نصاب قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ اور اصول فقہ پر مشتمل تھا، اس کے نصاب میں جدید موضوعات کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

۱۸۵۷ء میں سرسید احمد خان نے سماجی علوم اور خالص علوم کی تعلیم دینے کے لیے مدرسۃ العلوم (محمڈن اینگلو اورینٹل کالج علی گڑھ) کی بنیاد رکھی، جبکہ دیوبند نے علمائے اسلام کو آگے بڑھانا شروع کیا، علی گڑھ اسکول نے انگریزی اور دیگر جدید مضامین کے اسکالرز نکالنے میں مدد کی، علم کے دو مختلف دھاروں نے مسلم معاشرے میں ایک سنگین صورتحال پیدا کر دی، دیوبند کے علماء نے علی گڑھ کے اسکول کے فارغین کو بدنام کرنا شروع کر دیا اور اس صورت حال میں علی گڑھ نے علماء کو بنیاد پرست اور تاریک فہم کے طور پر دیکھا۔

اس صورت حال سے نمٹنے اور اس کا علاج تلاش کرنے کے لیے کچھ مسلمان دانشوروں نے ایک ایسا ادارہ قائم کرنے کا سوچا جو علم کے دونوں دھاروں کی حاجت پورا کر سکے، اس مقصد کے پیش نظر مولانا محمد علی مونگیری، مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی، مولانا محمود الحسن، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا لطف اللہ علی گڑھی، مولانا سلیمان پھلواروی نے ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۲ء میں کانپور میں اجتماع کیا اور ندوۃ العلماء کی بنیاد رکھی، مولانا سید محمد علی مونگیری اس کے پہلے ناظم منتخب ہوئے، ان کا خیال تھا کہ جدید تعلیم اور روایتی تعلیم کو ساتھ ساتھ پڑھنا ہوگا، اس کے علاوہ مدارس کے نصاب میں بھی اصلاح کی ضرورت ہے۔

ہندوستان اور بیرونی ممالک میں ندوۃ العلماء کی وسیع پیمانے پر شہرت کے بعد اس کا پہلا اجلاس ۲۲، ۳۲، ۲۴/ اپریل ۱۸۹۴ء کو مدرسہ فیض عام کانپور میں منعقد ہوا، اپنے اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے تقریباً تمام فرقوں اور گروہوں کے مسلمانوں نے اجلاس میں شرکت کی، واضح رہے کہ ندوہ کا ہیڈ آفس ۱۸۹۷ء/ ۱۳۱۵ھ تک کانپور میں تھا اور ۲/ ستمبر ۱۸۹۸ء کو اسے لکھنؤ منتقل کر دیا گیا۔

مدارس کے نصاب تعلیم میں اصلاح ندوۃ العلماء کے اہم مقاصد میں سے ایک ہے، اس نے مدارس کے نصاب کو بہتر بنانے میں نمایاں کردار ادا کیا، ہر اجلاس، ہر تقریر اور ندوہ کے ہر رسالہ میں جدید نصاب پر بہت زور دیا جاتا تھا، ندوۃ العلماء کے اراکین نے محسوس کیا اور تجربہ کیا کہ نئے دارالعلوم کے قیام کے بغیر اصلاح شدہ نصاب متعارف کرانا ناممکن ہے، چنانچہ انہوں نے خاتون منزل، گولا گنج، لکھنؤ میں دارالعلوم قائم کیا ۲۶/ ستمبر ۱۸۹۸ء سے ابتدائی درجات کا آغاز ہوا، علامہ شبلی کی دعوت پر سر آغا خان نے ندوۃ العلماء کے اجلاس میں شرکت کی جو ۳۰/ فروری ۱۹۱۰ء کو دارالعلوم کے نامکمل مرکزی ہال میں منعقد ہوا، 'المنار' کے مدیر علامہ رشید رضا کا بھی ۶/ اپریل ۱۹۱۲ء کو اسی ہال میں استقبال کیا گیا، ۱۹۱۴ء میں دارالعلوم کو خاتون منزل سے اس نامکمل عمارت میں منتقل کیا گیا۔

دارالعلوم کا آغاز ہو گیا، اس میں مذہبی موضوعات کے ساتھ جدید موضوعات بھی متعارف کرائے گئے، اس کی شہرت نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرون ممالک میں بھی بہت کم وقت میں پھیل گئی، ندوۃ العلماء کے بانی ارکان نے ندوہ کے قیام، اس کی ترقی و خوشحالی میں تعمیری کردار ادا کیا، اس کے علاوہ، انہوں نے اس مجلس کے ذریعے مختلف گروہوں کے مابین اختلافات کو کم کرنے اور معاشرے میں امن بحال کرنے کی پوری کوشش کی۔

ندوۃ العلماء کے بنیادی اہداف و مقاصد

۱- مدارس کے نصاب میں بنیادی اور دورس اصلاحات کرنا اور اسلامی اصولوں اور شریعت کی روشنی میں ایسا خاکہ تیار کرنا جو کہ آج کی ضرورت کو پورا کر سکے۔

۲- ایسے علماء پیدا کرنا جو قرآن و سنت کی تعلیم سے واقف ہوں اور جدید افکار و نظریات سے آگاہی پیدا کریں، اس کے علاوہ وہ وقت کے ساتھ رفتار برقرار رکھ سکتے ہوں اور معاشرے کی نبض کو محسوس کر سکتے ہوں۔

۳- مسلمانوں کے درمیان موجود اختلافات کو کم کر کے اور اسلامی بھائی چارہ کے جذبات کو پروان چڑھا کر متحد کرنا۔

۴- اسلام کی تعلیمات کو عام کرنا بالخصوص ملک کے لوگوں کو اس کی خوبیوں اور اقدار سے آشنا کرنا۔

مولانا سید محمد علی مونگیریؒ نے مذکورہ مقاصد کے حصول کے لیے پوری کوشش کی، انہوں نے ندوہ کی ضرورت کے حوالے سے اخبارات میں خطوط اور مضامین لکھے اور اس کے مقاصد پر روشنی ڈالی، لوگوں کو اس کے اغراض و مقاصد سے روشناس کرانے کے لیے مولانا مشتاق علی نگینوی کی سربراہی میں ایک وفد مولانا مونگیری کے خطوط کے ساتھ ہندوستان کے مختلف حصوں میں بھیجا گیا، انہوں نے دیوبند، رامپور، پٹنہ، نگینہ، نجیب آباد، اٹاوا، علی گڑھ، جھانسی، بھوپال اور بمبئی کا دورہ کیا، وفد علی گڑھ پہنچا، یہاں انہوں نے مولانا شبلی سے ملاقات کی اور اپنا منصوبہ بیان کیا، شبلی اس وقت محمڈن اینگلو اورینٹل کالج علی گڑھ میں استاد تھے، ہندوستانی مدارس کے علاوہ، انھوں نے اٹلی (روم)، مصر اور شام کے مدارس کی تنزلی، ذلت اور تعلیم کے پست معیار کو بھی دیکھا تھا، ایسا لگتا تھا کہ انہوں نے اپنے خواب کی تعبیر اور اپنے زخموں کا مرہم ندوۃ العلماء کے مقاصد میں ڈھونڈ لیا ہے، چنانچہ آپ نے مکمل رضامندی دی اور ندوہ کے اغراض اور مقاصد سے مکمل اتفاق کیا۔

بمبئی سے مولانا مشتاق علی نگینوی کی قیادت میں وفد جدہ (مکہ اور مدینہ) گیا، ندوۃ العلماء کا پہلا تعارف حجاز میں مولانا مشتاق علی ناگنوی نے کیا، حجاز کے علماء نے ندوہ کی ضرورت اور اس کی اہمیت کو تسلیم کیا، انہوں نے ندوۃ العلماء کے اغراض و مقاصد بھی علمائے مدینہ کے سامنے رکھے، اس دورے کے دوران انہوں نے حجاز میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے ملاقات کی اور انہیں تمام تحریری دستاویزات اور کارروائی دکھائی، انہوں نے بے حد خوشی کا اظہار کیا اور کاغذات پر دستخط بھی کر دیا، اس موقع پر یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ ندوۃ العلماء کو شروع ہی سے اویس زمانہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی اور شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی نیک دعائیں شامل حال رہیں۔

ندوۃ العلماء نے سینکڑوں علماء، مصلحین، مفکرین اور عالمی شہرت کے مصنفین پیدا کیے، یہ ندوہ ہی ہے جس نے سب سے پہلے برصغیر میں عربی زبان و ادب پر خاطر خواہ توجہ دی، اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ یہ قرآن وسنت کی زبان ہے، اس نے اپنا خود کا نصاب تیار کیا، ہندوستان کے اندر اور باہر دینی مدارس کی ایک اچھی تعداد نے اس کا نصاب اپنایا، عربی زبان وادب کے میدان میں ندوۃ العلماء کے فارغ التحصیل افراد کے کارناموں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

علمائے ندوۃ العلماء نے اپنے علم وفضل کی بدولت تعلیم، صحافت، قومی یکجہتی اور سماجی اصلاحات کے میدانوں میں ممتاز مقام حاصل کیا ہے، مثال کے طور پر مولانا سید سلیمان ندوی کی یادگار تصنیف سیرت النبیؐ کو اسلامی انسائیکلوپیڈیا سمجھا جاتا ہے، اسی طرح عربی زبان وادب کے میدان میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی غیر معمولی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

ندوۃ العلماء نے صحافت کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا، یہ اردو، عربی، انگریزی سمیت ہندی میں علمی جرائد شائع کرتا ہے، اس نے ''الندوہ'' (ماہانہ) ۲۹۰۴ء سے ۱۹۱۶ء تک شروع کیا، پھر ۱۹۴۰ء-۱۹۴۵ء میں، ''الضیاء'' (۱۹۳۲ سے ۱۹۳۵ء تک)، ''البعث الاسلامی'' (ماہنامہ) ۱۹۵۵ء سے، ''الرائد'' (پندرہ روزہ) ۱۹۵۹ء سے ''تعمیر حیات'' (پندرہ روزہ) ۱۹۶۳ء سے، ہندی جریدہ ''سچا راہی'' ۲۰۰۲ء سے، ۱۹۹۸ء سے انگریزی جریدہ The Fragrance of East، جو اساتذہ اور طلباء کو تازہ ترین رجحانات اور مسائل سے واقف کرانے میں مدد کرتا ہے اور اسلامی عقیدے اور علم کی تبلیغ کے لیے رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

بلا مبالغہ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ہندوستان میں دار العلوم ندوۃ العلماء وہ واحد ادارہ ہے جہاں سے چاروں زبانوں میں یعنی عربی، اردو، انگریزی اور ہندی میں مجلات ورسائل پابندی کے ساتھ شائع ہوتے ہیں۔

ندوۃ العلماء کے بانی ارکان دور اندیش، پرہیزگار اور سمجھدار تھے، انہوں نے محسوس کیا کہ جب تک مدارس کے نصاب کی اصلاح نہیں کی جائے گی اور اس میں تبدیلی نہیں کی جائے گی اچھے علماء پیدا نہیں ہو سکتے، اسی مناسبت سے انہوں نے اسلامی علوم کے ساتھ ساتھ جدید مضامین بھی متعارف کروائے تاکہ طلباء وقت کے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو سکیں، اس کے علاوہ انہوں نے عربی زبان وادب کے فروغ پر بہت زور دیا، کیونکہ عربی زبان وادب میں مہارت حاصل کیے بغیر اسلامی علوم کے اصل ماخذ کا مطالعہ نہیں کیا جا سکتا، کافی حد تک ندوۃ العلماء امن قائم کرنے اور مختلف گروہوں کے درمیان ہم آہنگی بحال کرنے میں کامیاب ہوا، مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے طلباء یہاں اپنی تعلیم کی پیاس بجھانے آتے ہیں۔

دار العلوم ندوۃ العلماء کے نصاب میں انگریزی زبان کی شمولیت

شروع سے ہی ندوۃ العلماء کا بنیادی زور ایسے علماء پیدا کرنا تھا جو مستشرقین کی طرف سے قرآنی احکام کی غلط تشریح اور مغرب کے حملے کی تردید کر سکیں، اس کے علاوہ، وہ مغرب زدہ مسلم اسکالرز کی طرف سے اسلام کی بے لگام تشریح کو بھی دیکھ سکتے ہوں، ندوۃ العلماء کے ممبران نے اور خاص طور سے ناظم اول ندوۃ العلماء مولانا سید محمد علی مونگیری اور مولانا

شبلی نعمانی نے ندوہ کے نصاب میں انگریزی کو شامل کرنے کی وکالت کی اور اسے ۱۹۰۱ میں ابتدائی درجات میں متعارف کرایا گیا، ۱۹۰۵ء میں ندوہ کے انتظامی ڈھانچے کو تین صدور کے تحت تقسیم کیا گیا جیسے: ۱- رجسٹرار آفس (دفتر مراسلات) مولانا سید عبدالحی حسنی رجسٹرار منتخب ہوئے، ۲- فائننس آفس (دفتر مالیات) منشی احتشام علی کاکوروی معتمد مال بنے اور ۳- ڈین آفس (دفتر تعلیمات) مولانا شبلی نے معتمد تعلیم کی ذمہ داری سنبھال لی۔

اپریل ۱۹۰۵ء میں مولانا شبلی کے ندوہ میں معتمد تعلیم بننے کے بعد انہوں نے ندوۃ العلماء کے دیگر اراکین کے مشورے سے نصاب میں انگریزی کو لازمی مضمون کے طور پر رکھا، ان کی محنت اور کوششوں کی وجہ سے طلباء نے یہ زبان سیکھنے میں دلچسپی لینا شروع کر دی، مولانا عبدالباری ندوی نے جدید فلسفہ بارکلے اور ہیوم کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا اور معجزات پر ایک انگریزی مقالہ بھی لکھا، مولوی زین العابدین اور مولوی احمد اللہ نے بالترتیب امریکہ اور لندن کا سفر کیا اور وہاں اسلام کی خدمت کی، درحقیقت علامہ شبلی نصاب میں انگریزی زبان کو ایک اہم مقام دینا چاہتے تھے تاکہ انگریزی تعلیم کے ذریعہ جدید فکری رجحانات سے آشنا تربیت یافتہ ماہرین الٰہیات پیدا کیے جاسکیں۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ندوۃ العلماء نے انگریزی زبان میں علماء کی ایک کہکشاں پیدا کی ہے، ہندی اور سنسکرت کی تعلیم بھی بعد میں دارالعلوم میں شروع ہوئی، اس کے پیچھے بنیادی طور پر اسلام کے دفاع کی خواہش تھی کیونکہ اس وقت آریائی کھلم کھلا اسلام پر حملہ آور تھے، اس صورتحال میں علامہ شبلی نے دارالعلوم میں ہندی اور سنسکرت کی تعلیم کی وکالت کی تاکہ مسلم علماء اسلام پر آریائی حملے کی نوعیت کو سمجھ سکیں اور ہندومت کی نظریاتی کمزوری کا مقابلہ کرسکیں اور ہندو برادریوں میں اسلام کی تبلیغ بھی کرسکیں۔

انگریزی زبان کئی وجوہات کی بناء پر دنیا میں بہت اہم مقام رکھتی ہے، یہ صرف انگریزوں کی زبان ہی نہیں ہے بلکہ چار براعظموں میں کروڑوں لوگ روزانہ بولتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ زبان ایشیا اور افریقہ کے مختلف ممالک میں بڑے پیمانے پر استعمال ہوتی ہے اور یہ امریکہ کی بھی زبان ہے، تقریباً ۲۶۰ ملین لوگ یہ زبان بولتے ہیں جب کہ روسی، ہسپانوی، جرمن اور فرانسیسی زبانیں علی الترتیب ۱۴۰، ۱۳۵، ۹۰ اور ۶۰ ملین افراد بولتے ہیں، دراصل، انگریزی بولنے والے افراد کی تعداد دنیا کی آبادی کا تقریباً دسواں حصہ ہے۔

ایک زبان کے طور پر انگریزی میں نہ صرف وسیع المشربیت کی لچک ہے، بلکہ آفاقیت کی مطابقت بھی ہے، اس زبان کا اثر مشرق کے ساتھ ساتھ مغرب میں بھی غالب ہے، یورپ، ایشیا اور افریقہ کے زیادہ تر اعلیٰ اسکولوں میں انگریزی ایک لازمی مضمون کے طور پر پڑھائی جاتی ہے، بہت سے مشرقی ممالک نے اسے دوسری زبان کے طور پر بھی اپنالیا ہے، یہ سب واضح طور پر اس یقین میں اضافہ کرتا ہے کہ انگریزی ایک فطری طریقے سے، دنیا کی واحد باہمی رابطے کی اصطلاح بن جائے گی، اس کی وسائل سے بھرپور اور آفاقی ذخیرہ الفاظ، تصریفی سادگی اور منطقی لیکن لچکدار گرامر اس کو مختلف لوگوں کے درمیان، خواہ دنیا کے سیاہ فام لوگوں میں بھی، ایک آسان اور مقبول زبان بنانے کے تمام اہم عوامل ہیں، یہ یقینی طور پر انگریزی زبان کی بین الاقوامی حیثیت کے لیے ایک مضبوط عنصر ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ایک ہمہ جہت ذہین شخص تھے، اسلام کے بارے میں اپنے غیر معمولی علم اور گہرے علمی بصیرت کی وجہ سے وہ ایک عالمی شخصیت بن گئے، طے شدہ طور پر وہ عالم اسلام کے ایک غیر متنازع فیہ رہنما تھے، ندوۃ العلماء نے ان کی اثر انگیز سرپرستی میں ہمہ جہت ترقی کی، وہ قومی یکجہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے قائل تھے، اس کے علاوہ، ان کی پرجوش خواہش انگریزی زبان کو فروغ دینا اور طلباء میں انٹرنیٹ کے استعمال کو مقبول بنانا تھا، جناب شارق علوی ایڈیٹر Fragrance of East نے ایک بار کہا تھا کہ مولانا علی میاں ندوی کی خواہش تھی کہ وہ ندوہ سے انگریزی رسالہ شائع کریں، الحمدللہ ان کی یہ خواہش ان کی زندگی میں پوری ہو گئی، جناب علوی نے بتایا کہ جب بھی Fragrance کا کوئی نیا شمارہ ان کے سامنے پیش کیا جاتا تھا تو مولانا ندوی بہت خوش ہوتے، انہوں نے مولانا کا پیغام بھی یاد دلایا: ”معاشرے کے مختلف طبقوں میں ہم آہنگی، بھائی چارہ اور حب الوطنی کے جذبات کو پھیلانے میں قلم کا استعمال“۔ مزید یہ کہ مولانا کی خواہش پر ۱۹۹۴ء میں میڈیا ریسرچ سینٹر کا قیام عمل میں آیا اور ۱۹۹۵ء میں شعبۂ صحافت ولسانیات کا قیام عمل میں آیا۔

ندوۃ العلماء کی مجلس عاملہ نے انگریزی زبان کی اہمیت اور افادیت کو مدنظر رکھتے ہوئے انگریزی میں ایک سالہ ڈپلومہ کورس شروع کرنے کا فیصلہ کیا، اس شعبہ کا بنیادی مقصد طلبہ کو دعوتی سرگرمیوں کی تربیت دینا ہے، امید ہے کہ انگریزی میں ایک سالہ ڈپلومہ کورس مکمل کرنے کے بعد وہ یقیناً اسلام کی تعلیمات کو پوری دنیا میں پہنچا سکیں گے، اس کے علاوہ وہ انگریزی بولنے اور مواصلات کی مہارتوں پر سبقت لے سکتے ہیں اور ان میں اضافہ کرسکتے ہیں جن میں خط کا مسودہ تیار کرنا، مباحثے، خلاصہ نگاری اور انٹرویو مواصلات شامل ہیں۔

اس کی افتتاحی تقریب ۳؍ستمبر ۲۰۱۸ء کو منعقد ہوئی، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ......

............بقیہ صفحہ ۲۸؍پر

رسید کتب

تعارف وتبصرہ

محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی

نام کتاب: مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی تبلیغی تحریک

مصنف: محمد عبدالملک جامعی مدنی

مرتب: معصوم مرادآبادی

جامعی صاحب ان افراد میں ہیں جن کو کئی ملی تحریکوں میں شرکت کا موقع ملا، اور اس سے بڑھ کر اپنے وقت کی عظیم دینی وملی رہنما شخصیات کی قربت وصحبت ان کو حاصل رہی؛ قاضی عدیل عباسی، ڈاکٹر ذاکر حسین، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا آزاد، مولانا محمد علی جوہر مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمہم اللہ جمیعاً کے اسماء گرامی بہ طور خاص لیے جاسکتے ہیں، جن سے انھوں نے بھرپور فیض اٹھایا، ان کے کاموں تحریکوں میں شرکت کی اور ان کے فکر ومزاج کے آشنا ہوئے۔

مختلف گھاٹوں سے سیراب ہونے کے بعد جامعی صاحب مرحوم کو مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کا چشمۂ فیض راس آیا، اور پھر وہی ان کے منھ کو لگ گیا۔ ۱۹۴۲ء میں ان سے اور ان کی تحریک سے وابستہ ہوئے، اور حجاز منتقل ہونے کے بعد وہاں بھی مولانا محمد عبیداللہ بلیاوی ومولانا سعید احمد خاں جیسے اساطینِ تبلیغ کے ہمراہ تبلیغی مہم سے لگے رہے۔

زیرِ نظر کتاب ''مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی تبلیغی تحریک'' ان کی گمشدہ ڈائری کے اوراق ہیں' جو انھوں نے مولانا محمد الیاسؒ کے ساتھ پیش آمدہ واقعات اور اپنے یادگار تبلیغی اسفار کے بابت تحریر کیے تھے، تاہم اس کے احداث واقعات میں اس دور کی دیگر تبلیغی وغیر تبلیغی شخصیات کا تذکرہ بھی بھرپور ملتا ہے، خاص طور پر جن شخصیات کے اسمائے گرامی اوپر لیے گئے' ان کا اچھا خاصا ذکر و حال ان اوراق میں موجود ہے، اور اس کے ضمن میں مختلف دینی وملی تحریکوں اور سرگرمیوں سے متعلق اچھی خاصی معلومات بھی۔

اس گمشدہ ڈائری کی دریافت کا سہرا جامعی صاحب کے ہی ہمشیرہ زادہ جناب معصوم مرادآبادی کے سر ہے، جنھوں نے اس کی ترتیب وکتابت کے بعد طباعت کی ذمہ داری بھی پوری کی۔ عام کتابی سائز کے تقریباً دوسو صفحات کی اس کتاب میں مصنف کی تحریروں کے ساتھ مرتب کی جانب سے مصنف کا جامع ومختصر تعارف بھی پیش کیا اور مولانا علی میاں ندوی ومولانا محمد الیاس رحمہما اللہ سے مراسلت کے چند نمونے بھی۔

مجموعی طور پر ملی شخصیات ومذہبی وقومی تحریکوں کی تاریخ سے شغف رکھنے والوں کے لیے ایک خاصہ کی چیز ہے اور اس خصوصیت کی حامل بھی کہ اس کی زبان اک ایسے فرد کی زبان ہے جو وقت کے قلم کاروں کی صحبت میں رہا ہے، اور ٹکسالی زبان کی خوشنما پیوند کاریوں نے جس کی تحریروں کو دوآتشہ بنادیا ہے، اور یہ وصف بھی کہ ایسے مختلف الجہات مفکرین وقائدین کی تربیت نے اس کے اندر تعریف کے مادہ کے ساتھ تنقید کا ملکہ بھی پیدا کردیا ہے۔

'خبردار پبلیکیشنز' دہلی سے شائع ہوئی ہے۔

رابطہ کے لیے ۹۸۱۰۷۸۰۵۶۳

نام کتاب: مولانا سید ابو الحسن علی ندوی - شخصیت، افکار و مکاتیب

تالیف: مولانا عتیق احمد بستوی

استادِ گرامی قدر مولانا عتیق احمد بستوی مدظلہ کی تالیف ''مفکرِ اسلام مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ - شخصیت، افکار اور مکاتیب'' حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ذات وشخصیت، افکار و نظریات اور اوصاف وکمالات پر تصنیف وتالیف کے تسلسل کا حصہ ہے۔

استادموصوف کا تعلق حضرت مولانا علیہ الرحمۃ سے دودہائیوں پر محیط ہے، جس میں ملاقات بھی ہے، مراسلت بھی ہے اور علمی معاونت بھی ہے۔ یہ کتاب اسی تعلق کی داستان سناتی ہے، جس سے اس کے عمق اور نوعیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

کتاب کی ابتداء میں وہ مضامین ہیں جو استادگرامی نے حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کی وفات کے بعد مختلف عنوانوں پر ان کی شخصیت کے حوالے سے تحریر کیے۔ ان میں سب سے پہلا مضمون ''مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ - نقوش و تاثرات اور خصوصیات'' کے عنوان سے معنون ہے۔ اس عنوان کے تحت حضرت مولاناؒ سے تعلق کا آغاز، حضرت کی عنایات، شخصی کمالات و خصوصیات اور اوصاف وکمالات کا مختلف ذیلی عناوین قائم کرکے ذکر کیا گیا ہے۔

دوسرا مضمون ''حضرت مولانا علی میاں ندوی اور فقہ اسلامی'' کے عنوان سے موسوم ہے۔ اس میں حضرتؒ اور علوم اسلامیہ سے گفتگو کا آغاز کرکے بہ طورِ خاص اجتہاد وتقلید کے سلسلہ میں حضرتؒ کے نظریات وخیالات کو پیش کیا گیا ہے، جس سے فقہِ اسلامی کے تحفظ کے سلسلہ میں

حضرتؒ کی خدمات ابھر کر سامنے آتی ہیں۔

تیسرا مضمون حضرت علیہ الرحمہ کے تنقیدی اسلوب سے متعلق ہے، جس میں مثالیں پیش کر کے حضرتؒ کے تنقیدی لٹریچر کا تجزیہ کیا گیا ہے اور اس کی سنجیدہ اور تعمیری تنقید کی حیثیت کو مدلل کیا گیا ہے۔

اس مضامین کے بعد مکاتیب کا سلسلہ ہے۔ یہ ۲۷/ مکاتیب ہیں، جو علمی، تاریخی اور فکری مراسلت پر مبنی ہیں۔ مکاتیب کے بعد استاد موصوف کی تالیفات پر حضرتؒ کے مقدمے اور پیشہائے لفظ ہیں، اور آخر میں حضرتؒ کے بستی کے اک سفر کی روداد ہے، یہ سفر 'دینی تعلیمی کونسل' کی ایک کانفرنس میں شرکت کی غرض سے کیا گیا تھا، جس میں سید حامد صاحب مرحوم سابق وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی بھی شریک ہوئے، لکھنؤ اور ندوہ کی شخصیات میں جناب مولانا معین اللہ ندوی اندوریؒ نائب ناظم ندوۃ العلماء، جناب ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشیؒ، جناب سید مرتضی نقوی مظاہریؒ ناظر کتب خانہ علامہ شبلی نعمانی ندوۃ العلماء نمایاں تھے۔ اور بالکل آخر میں استاد موصوف کا 'سیرت سید احمد شہید' پر تبصرہ جو ماہنامہ 'تجلی' دیوبند میں شائع ہوا تھا' شاملِ اشاعت کیا گیا ہے۔ اس طرح تقریباً سوا دو سو صفحات کی یہ تالیف مولانا عتیق احمد بستوی مدظلہ اور مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے باہمی ربط و تعلق کو مختصر لیکن مکمل طور پر پیش کرتی ہے، اور اس کے ضمن میں بہت سی مفید معلومات بھی قاری کو حاصل ہو جاتی ہیں۔

معہد الشریعۃ، لکھنؤ سے شائع ہوئی ہے۔ اس نمبر پر رابطہ کر کے حاصل کی جا سکتی ہے:

۹۹۱۰۸۲۵۱۱۰

☆☆☆☆☆

.....بقیہ صفحہ ۲۶/ کا

ناظم ندوۃ العلماء وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اس تقریب کی صدارت کی، اپنے صدارتی خطاب میں انہوں نے کہا کہ: دنیا میں مسلمان اقلیت میں ہیں اور شروع سے ہی یہ محسوس ہو رہا ہے کہ اکثریت کے مقابلے میں ہمیشہ اقلیت کی طرف کم توجہ دی جاتی ہے، آج علم دنیا میں غالب ترین عنصر ہے، یہ علم ہی ہے جس کے ذریعے ترقی یافتہ ممالک نے زندگی کے ہر شعبے میں اثر و رسوخ، فضیلت، ترقی اور عروج حاصل کیا ہے، علم کی کمی مسلمانوں کی پسماندگی اور زندگی کے ہر شعبے میں ان کی درماندگی کی بنیادی وجہ ہے، ہر ملک چاہے وہ جرمنی ہو، فرانس، انگلینڈ اور دیگر ممالک اپنی زبان کو ترجیح دیتے ہیں، انگریزوں نے ایک طویل عرصہ ہندوستان پر حکومت کی، انہوں نے انگریزی زبان کو ہندوستان کی وطنی زبان بنایا، آج بھی دانشور حلقے انگریزی زبان پر اچھی گرفت رکھتے ہیں اور اردو یا عربی سمجھنے سے قاصر ہیں، وہ اسلام کی تعلیمات کو سمجھنے سے قاصر ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ علمائے کرام انگریزی کو اچھی طرح سیکھیں اور اس پر بہترین عبور اور گہرائی حاصل کریں تاکہ وہ آسانی سے اسلام کا حقیقی پیغام ان تک پہنچا سکیں، انہوں نے مزید کہا کہ اگرچہ انگریزی کو ندوہ کے نصاب میں شامل کیا گیا ہے لیکن ہمیں انگریزی زبان کے ماہرین پیدا کرنے ہوں گے، تاکہ اسلام کی حقیقی تصویر دنیا کے سامنے بہترین انداز میں پیش کی جا سکے، یہ ظاہر ہے کہ انگریزی زبان کی گہری اور عمیق معلومات کے بغیر یہ ناممکن ہے۔

اپنی فکر انگیز تقریر میں مولانا سید محمد واضح رشید ندوی سابق معتمد تعلیم ندوۃ العلماء نے فرمایا تھا: "اسلام پر حملے قدیم زمانے سے ہوتے رہے ہیں، مغربی زبانوں سے ناواقفیت کی وجہ سے علماء اسلام پر مستشرقین کے لگائے گئے الزامات، شکوک و شبہات کا رد نہیں کر سکے، حتیٰ کہ قرآن، حدیث اور سیرت نبویؐ کے بارے میں بھی شکوک و شبہات کی ایک وسیع قطار پیدا ہوئی لیکن وہ ان کی زبانوں سے ناواقفیت کی وجہ سے ان کا جواب دینے میں ناکام رہے، علمائے کرام کا فرض ہے کہ وہ دنیا کی مروجہ زبانیں سیکھیں تاکہ وہ ان کی زبانوں اور اسلوب میں ان کا جواب دیں"۔

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے انگریزی زبان کو حاصل کرنے پر بہت زور دیا، انہوں نے فرمایا کہ آج انگریزی زبان دعوت کی زبان بن چکی ہے، علمائے کرام کو اسے سیکھنا چاہیے اور اس زبان کے فائدے اور نقصانات سے بھی آگاہ ہونا چاہیے، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہونے کی حیثیت سے علمائے اسلام پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، انہیں اس عظیم کام کو انجام دینے کے لیے کمر کس لینی چاہیے، انگریزی زبان کے لیے خصوصی شعبہ کھولنے کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کی جا رہی تھی جسے آج حتمی شکل دے دی گئی ہے، امید ہے کہ یہ نیا شعبہ یقیناً اچھے نتائج دے گا اور ندوۃ العلماء کو اس کا سہرا جائے گا۔

الحمد للہ یہ انگریزی شعبہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی سرپرستی اور ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی کے زیر نگرانی قائم ہے، قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ آج دار العلوم ندوۃ العلماء کے تقریباً تمام انگریزی کے اساتذہ دار العلوم ندوۃ العلماء کے ہی فارغین ہیں، راقم نے اپنی کتاب "Role of Nadwatul Ulama in the Field of English Language and Literature" میں ندوۃ العلماء کے فضلاء کی انگریزی خدمات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

☆☆☆☆☆

ذکرِ خیر

والد گرامی بحیثیت والد، مربی اور استاد

(مولانا حفظ الرحمن ندوی رحمۃ اللہ علیہ)

یوشع حمید ندوی

یقیناً موت ایک اٹل حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں، لیکن کچھ لوگوں کی موت کا تو یقین ہی نہیں آتا، لگتا ہے ابھی سفر پر گئے ہیں، بس آتے ہی ہوں گے، باپ کی موت بھی انھی چند اموات میں سے ایک ہوتی ہے، باپ کی موت ایک ایسا صدمہ ہے جسے صرف اس سے گزرنے والا ہی محسوس کرسکتا ہے، باپ کے چلے جانے کے بعد یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے سر پر سایہ فگن درخت کاٹ دیا گیا ہو، یقیناً باپ خدا کی وہ نعمت ہے جس کی اہمیت کا احساس اس سے محرومی کے بعد ہی ہوتا ہے، باپ خدا کا وہ تحفہ ہے جس کا کوئی نعم البدل نہیں، وہ ایسی چھاؤں ہے کہ ایک بار گئی تو دوبارہ واپس نہیں آتی، باپ کی موت ایک ایسا خلا ہے جو کبھی پُر نہیں ہوسکتا، ایک ایسا نقصان ہے جس کی تلافی ممکن نہیں، میرے والد گرامی ۱۵ر اکتوبر ۲۰۲۱ء مطابق ۹ر ربیع الاول ۱۴۴۳ھ کو جمعہ کی مبارک ساعت میں سوئے عدم روانہ ہوگئے لیکن اپنے پیچھے محبتوں، شفقتوں کا وہ بیش قیمت سرمایہ چھوڑ گئے کہ انہیں اگر فراموش کرنا بھی چاہوں تو فراموش نہیں کرسکتا، موسم کی آندھی چلی اس میں کئی چراغ گل ہوگئے اور اپنے پیچھے اشکوں کی برسات اور یادوں کی بارات چھوڑ گئے، میں اکثر سوچا کرتا تھا کہ موت کے بعد لوگ آنسو کیوں بہاتے ہیں لیکن یہ نہیں جان سکا کہ مرنے والا اپنا جسم اور اپنی روح لے کر ہی رخصت نہیں ہوتا بلکہ اپنے ساتھ الفت و محبت، قربت و شفقت، توجہ و عنایت، تلطف و مہربانی، دل بستگی و وابستگی جیسے سیکڑوں جذبات بھی لے کر چلا جاتا ہے، اسی لیے شاید لوگ آنسو بہاتے ہیں۔

میرے والد ہمارے لیے آئیڈیل تھے جنھوں نے ہمیں انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا، زندگی کے نشیب و فراز سے آگہی دی، نرم و گرم حالات سے مقابلہ کرنا سکھایا، زندگی کے ہر موڑ پر رہنمائی کی، ہر کامیابی پر خوشی کا اظہار کیا اور ہم سے کہیں زیادہ کیا، میرے والد وہ عظیم شخصیت تھے جن کا کردار اس نفسا نفسی کے دور میں بھی ایک روشن مثال تھا، جن کا باطن ان کے ظاہر سے بھی زیادہ پاکیزہ اور صاف تھا، حق طلبی میں کوتاہ اور حقوق کی ادائیگی میں پیش پیش تھے، سینکڑوں مسکینوں، یتیموں غریبوں، ناداروں کے ہمدرد و غمگسار تھے، ان کے سرپرست و نگہبان تھے، میرے والد انسانوں کی اس بستی میں مشعل راہ تھے، ایک روشن دلیل و رہنما تھے، میرے والد ہم سے رخصت ہوگئے، دن گزر گئے اور گزرتے رہیں گے لیکن ان کے کام ہمیشہ ان کی یاد کو تازہ رکھیں گے اور ان کی یاد سے دل بے قرار ہوگا، آنکھ اشکبار ہوگی، غم سے سینہ فگار ہوگا اور زبان حال کہے گی: ”یقیناً ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے“ اے اللہ! میرے والد کے تمام گناہ معاف کردے، ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرما اور اپنی رحمت سے انھیں وہ سب کچھ عطا فرما جس کے وہ مستحق ہیں۔

تعلیم، پرورش و پرداخت اور بعض نمایاں خصوصیات

والد گرامی کی پیدائش صوبہ بہار کے ضلع سہرسہ کے مبارک پور گاؤں میں ایک معزز رئیس اور متمول گھرانے میں ہوئی، والد گرامی کی زندگی کا ابتدائی حصہ نہایت خوشحالی، فراخی اور سیر و تفریح میں گزرا، لیکن جب سن رشد کو پہونچے تو ان کے اندر حصول علم کا جذبہ پیدا ہوا اور یہ جذبہ دیکھتے ہی دیکھتے جنون کی شکل اختیار کرگیا چنانچہ تکمیل حفظ کے بعد دوسال میں ہی گاؤں کے مولوی حصیر الدینؒ سے ثانوی درجات کی تمام کتابیں پڑھ لیں، ان کے جنون کا وہ عالم تھا کہ گاؤں والوں کا کہنا ہے کہ ان دنوں سیلاب کے موسم میں والد مرحوم کے پاس تین لنگیاں ہوا کرتی تھیں، ایک گھر پر ایک مسجد کے صحن میں اور ایک مولوی حصیر الدین کے ہاں، گھر سے مسجد جاتے ہوئے سیلاب کی وجہ سے لنگی بھیگ جاتی تو اسے مسجد میں تبدیل کر لیتے پھر نماز کے بعد مولوی صاحب کا رخ کرتے تو ان کے گھر تک پہونچتے پہونچتے مسجد والی لنگی بھی بھیگ جاتی جسے مولوی صاحب کے ہاں تبدیل کر لیتے، ان کے ہاتھ میں ہمیشہ کتاب ہوتی تھی حتی کہ کھیل کود کے وقت بھی؛ گاؤں میں علمی وسائل کی کمی کے باعث گھر سے راہ فرار اختیار کر کے مونگیر آگئے اور ان کا یہ فرار اختیار کرنا تعلیم کے خوف سے نہیں؛ بلکہ حصول علم کے جذبہ سے دیوانہ وار سرشاری کے نتیجہ میں تھا۔ مونگیر، دیوبند اور ندوہ سے بالترتیب اعلیٰ نمبرات سے کامیابی حاصل کرنے کے بعد کلکتہ کا رخ کیا جہاں انہوں نے تقریباً سات سال تک ”اقرأ“ نامی اخبار میں بطور ایڈیٹر خدمات انجام دیں، والد گرامی حالات حاضرہ سے متعلق مضامین شائع کیا کرتے تھے، متعدد شخصیات سے ان کے

انٹرویوز بھی پڑھنے کے قابل ہوتے تھے، کبھی کبھی کھیل سے متعلق ان کی رپورٹس بھی شائع ہوتی تھیں، اس ضمن میں ایک دلچسپ واقعہ ہے کہ ایک بار انہیں ہندو پاک کے میچ کی رپورٹنگ کا کام سونپا گیا، والد گرامی میچ دیکھنے کے شوقین تو تھے نہیں لہٰذا کسی شخص سے سارا اسکور کارڈ پتہ کیا اور ایک زبردست رپورٹ تیار کرڈالی، دوسرے دن بذریعہ ٹرین ایک سفر کے دوران کسی مسافر کو اسی رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے سنا جو اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا یہ لوکل کے میچ کی رپورٹنگ پڑھو کیا شاندار رپورٹ ہے، ایسا لگ رہا ہے کہ آنکھوں دیکھا حال پڑھ رہا ہوں، والد گرامی بغل میں بیٹھے زیر لب مسکرا رہے تھے کہ جس رپورٹ کو یہ آنکھوں دیکھا حال سے تعبیر کررہے ہیں، اس رپورٹ کو تیار کرنے والے نے میدان میں ایک بال تک نہیں دیکھی، انہی دنوں ایک طالب علم کا داخلہ کرانے کے لیے ندوہ آنا ہوا جہاں ان کی ملاقات حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی جنہوں نے انہیں ترجمہ کا کوئی کام تفویض کیا، والد عزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ کرکے دیا جس کو مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی پسندیدگی سے نوازا اور خوش ہوکر ان سے ندوہ میں ہی رک جانے کو کہا جس کو والد گرامی نے بصد احترام قبول کرلیا جہاں سب سے پہلے ندوۃ العلماء سے شائع ہونے والے عربی جریدہ "الرائد" میں کام کیا، آپ "الرائد" میں مختلف انگلش اخبارات سے عربی میں ترجمہ کیا کرتے تھے، مزید برآں سلگتے ایشوز پر تجزیاتی مضامین بھی قلم بند کرتے تھے، والد گرامی اپنے مضامین میں مختلف قومی و بین الاقوامی اخبارات و رسائل؛ مثلاً دی ہندو، ٹائمس آف انڈیا، واشنگٹن پوسٹ اور نیویارک ٹائمز وغیرہ سے استفادہ کیا کرتے تھے، ان کا اسلوب جدید ترین صحافتی اسلوب سے میل کھاتا تھا، بعض مضامین جو شائع ہوئے، بطور مثال چند عناوین اس طرح ہیں:

۱-"محاولات التضليل وتزوير التاريخ بأن كل أبنية قديمة ومسجد و بناء أثري هندوكي" (تاریخ کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی کوشش کہ تمام قدیم اور تاریخی عمارتیں اور مسجدیں ہندوؤں کی ہیں)۔

۲-المسيرة التي كان يمكن تجنبها (وہ راہ جس سے کنارہ کشی ممکن تھی)۔

۳-الاضطرابات في بنارس ،صحيفة تائمس اوف انديا يأتدين اعضاء الحزب الحاكم والمسؤولين عن الأمن (بنارس میں فسادات، 'ٹائمس آف انڈیا' نے کی صاحب اقتدار پارٹی اور سیکورٹی کے ذمہ داروں کی سخت الفاظ میں سرزنش)۔

کچھ عرصہ بعد والد گرامی کی صلاحیتوں اور لیاقتوں کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی تقرری بحیثیت استاد کردی گئی، والد محترم تاحیات استاد کے مرتبہ پر فائز رہے اور تشنگان علوم دین کو سیراب کرتے رہے۔

ان کی نمایاں صفات میں اللہ پر توکل و اعتماد، تقوی و خشیت الٰہی، تواضع و انکساری، سادگی و قناعت شعاری، عفو و درگزر، جرأت و بہادری، ظرافت و ذکاوت، سخاوت و ضیافت، دیانت داری اور بے باکی قابل ذکر ہیں، اللہ نے انہیں بلا کی ذہانت سے نوازا تھا، ان کی ذہانت کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ دیوبند میں تعلیم کے دوران ایک زمینی تنازع میں میرے پھوپھا جان کا قتل ہوگیا، والد گرامی درمیان میں ہی تعلیمی سلسلہ کو ترک کرکے گاؤں آگئے اور بذات خود وکالت کی ذمہ داری ادا کی اور تمام مجرموں کو ان کے کیفر کردار تک پہونچایا جو کہ آج بھی سلاخوں کے پیچھے عمر قید کی سزا کاٹ رہے ہیں، حرام مال سے حد درجہ اجتناب کرتے تھے، اس ذیل میں بھی ایک واقعہ قابل ذکر ہے کہ ایک مجلس میں چندہ کی بابت گفتگو ہورہی تھی، والد گرامی بھی وہیں موجود تھے، انھوں نے فرمایا: مدرسہ یا ادارہ کی طرف سے مقرر کردہ فیصد کے علاوہ ذاتی مصارف میں چندہ کے مال کا استعمال حرام ہے، اتنا سننا تھا ان صاحب کا پارہ گرم ہوگیا اور طے کرلیا کہ انہیں چندہ کا مال کھلا کر رہیں گے، چنانچہ انہوں نے میرے والد عزیز کی غیر موجودگی میں میرے گھر پر مٹھائی کا ڈبہ بھیج دیا، والد محترم کو جب یہ بات پتہ چلی تو سخت ناگواری کا اظہار کیا اور اسے غرباء میں تقسیم کرنے کا حکم دیا، والد گرامی اگر دنیا کمانا چاہتے تو دنیا ان کے قدموں میں ہوتی لیکن انہوں نے دین کو دنیا پر ترجیح دی بقول حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ: "مرحوم کی زندگی بڑی زاہدانہ تھی، ان کی استعداد ایسی تھی کہ وہ بڑی سے بڑی ملازمت کرسکتے تھے لیکن انہوں نے دنیا نہیں دیکھی، دین دیکھا اور دین کے لیے اپنے آپ کو وقف کردیا"۔

والد محترم ایثار و قربانی کی اعلیٰ مثال تھے، آیت کریمہ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ان پر پوری طرح صادق آتی تھی، والد گرامی نے کبھی بھی اپنی ذات کو ترجیح نہ دی بلکہ قدموں میں پڑی شاہانہ زندگی کو دین وانسانیت اور قوم وملت کی خدمت کے لیے اَن دیکھا کردیا، والد گرامی کی زندگی صبر وشکر اور قناعت و بے نیازی سے عبارت تھی، ان کی زندگی کا ایک مقصد تھا اور اس مقصد کے سامنے زندگی کی تمام آسائشیں بے معنی تھیں، تمام رعنائیوں کی کوئی حقیقت نہیں تھی، وہ زندگی خوب گزارنا جانتے تھے اور خوب برتنا بھی، انہوں نے زندگی کو منزل نہیں سمجھا بلکہ سفر اور آغاز سفر، اسکے بعد ایک لمبا سفر طے کرنا باقی ہے جس کی

تمام تر کامیابی ابتدائے سفر پر ہی منحصر ہے، جس کے سفر کا آغاز مادی کدورت اور دنیوی آلائش سے جتنا پاک ہوگا، اس کے سفر کی منزل اتنی ہی سہل و آسان ہوگی اور حقیقت یہ ہے کہ آج جب بھی والد گرامی کا نام زبان پر آتا ہے یا ان کا خیال ذہن میں آتا ہے، میں اپنے آپ میں فخر محسوس کرتا ہوں کہ اتنی صاف وشفاف اور بے لوث شخصیت کے حامل تھے میرے والد؛ خدائے باری تعالیٰ ان کی تمام خطاؤں کو درگزر کرے اور ان کی قبر کو نور سے منور کردے، آمین۔

اولاد کی تعلیم و تربیت

والد گرامی کی تربیت کا انداز نہایت نرالا اور اچھوتا تھا، وہ سختی کے بجائے نرمی اور زدوکوب کے بجائے وعظ ونصیحت سے کام لینے پر یقین رکھتے تھے، ان کی ایک ڈانٹ ہی کافی ہوتی تھی، مجھے نہیں پتہ کہ انہوں نے مجھ پر آخری بار کب ہاتھ اٹھایا تھا، بلکہ اگر یوں کہوں کہ انھوں نے کبھی ایسا نہیں کیا تو غلط نہ ہوگا، ان کی بنیادی توجہ ہمیشہ تعلیم کی طرف رہتی، وہ ہمیشہ بچوں کی تعلیم کے لیے سرگرداں رہتے، تعلیم وتفہیم کے نت نئے طریقے تلاشتے رہتے اور انھیں سب سے پہلے بچوں پر ہی نافذ کرتے، انہیں مختلف علوم وفنون پر عبور حاصل تھا جن میں متعدد زبانیں، اصول حدیث و اصول فقہ، علم کلام، فقہ، علم میراث، علم عروض، علم ریاضی، علم سماجیات، تقابل ادیان اور صحافت قابل ذکر ہیں، کسی بھی علم وفن کی ترسیل وتسہیل میں وہ امتیازی مقام رکھتے تھے، چنانچہ انہوں نے تمام بچوں کو کسی ٹیوٹر یا اتالیق کے سپرد کرنے کے بجائے بذات خود ان کی تعلیم وتدریس پر توجہ مرکوز کی، اس لیے اگر یہ کہا جائے کہ والد گرامی ہی ہمارے اولین استاد اور مربی تھے تو قطعی بے جا نہ ہوگا، جب بھی تعلیمی سال کا اختتام ہوتا تو اگلے درجے کی ساری اہم کتابیں بطور خاص عربی ادب، عربی گرامر، اصول حدیث وفقہ علم کلام، علم میراث، انگریزی وغیرہ نئے تعلیمی مرحلہ کے آغاز سے قبل ہی ہم لوگوں کے سینوں میں اتار دیتے، علاوہ ازیں دوران تعلیم بھی مختلف علوم خصوصاً علم حدیث وفقہ سے متعلق جا بجا رہنمائی کرتے رہتے آپ اردو شروحات کے بجائے ان کے اولین مصادر و مآخذ اور عربی شروحات سے استفادہ کرنے کی ترغیب دیتے رہتے تھے، علوم شرعیہ ہی نہیں بلکہ والد عزیز دنیوی علوم میں بھی مہارت پیدا کرنے کی مسلسل ترغیب دیتے رہتے بلکہ خود ہی بازار جا کر مختلف علوم و فنون کی کتابیں مثلاً ریاضی، انگریزی علوم سماجیات و سیاسیات و معاشیات اور متعدد ماڈرن نصابیات کی کتابیں لے آتے اور بچوں کو پڑھانا شروع کردیتے، انہوں نے اپنی اولاد کے لیے علوم شرعیہ کی تعلیم کے علاوہ اعلیٰ عصری علوم سے بہرہ ور ہونے کی بھی فکر کی، اور نہ صرف یہ کہ فکر کی بلکہ بحمد اللہ اس کا بخوبی انتظام و انصرام بھی کیا، والد محترم کے نزدیک صرف تعلیم ہی کافی نہیں تھی، ان کا نظریہ تھا کہ تعلیم روزی روٹی کے لیے نہیں؛ بلکہ رضائے الٰہی اور خدمتِ خلق کے جذبہ سے حاصل کرنی چاہیے، ان کا ماننا تھا کہ روزی روٹی کا مالک تو اللہ ہے، وہ اس نے جہاں لکھ دی ہے، وہاں سے مل کر رہے گی، اسے کوئی چھین نہیں سکتا، البتہ ہمارا کام محنت، لگن اور اللہ پر توکل ہونا چاہیے جس میں وہ خود اپنی مثال آپ تھے۔

کبھی کبھی والد محترم ہم سب کو ایک ساتھ جمع کرتے، مختلف آئیڈیاز اور نئے نئے منصوبوں پر تبادلۂ خیال کرتے، وہ کہتے تھے کہ دماغ منصوبوں سے خالی نہیں ہونا چاہیے کیونکہ خالی دماغ شیطان کا گھر ہوتا ہے، یہ محفل نہایت پُر لطف اور شان دار ہوتی، کبھی کبھی والدہ محترمہ کو بھی پاس بٹھا لیتے اور کہتے دیکھو تمہارے بچے کتنے بڑے ہو گئے ہیں، جاؤ ان کے لیے چائے بنا کر لاؤ، اور ان کے جانے کے بعد فرماتے کہ تمہاری ماں کی وجہ سے ہی میں یہاں رک گیا اور تم لوگ بھی پڑھ لکھ گئے، ان کا بہت خیال رکھا کرو، بارہا کہتے ہم نے تمہیں گھر بنا کر نہیں دیا لیکن علم کے زیور سے آراستہ کیا جو دونوں جہاں میں تمہاری کامیابی کا ضامن ہے۔

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

بہرحال والد محترم کی زیر سرپرستی اور ان کی رہنمائی میں ہم سب اپنے تعلیمی سفر پر رواں دواں تھے کہ ان کے اندوہناک ارتحال کا سانحہ ہم سب پر بجلی بن کر گرا، اللہ عزوجل کے نزدیک ان کا ہمارے لیے اتنا ہی ساتھ مقدر تھا۔ ابو! آج ابو کہتے ہوئے بھی کلیجہ منہ کو آتا ہے، طبیعت بوجھل محسوس ہوتی ہے، دل خون کے آنسو روتا ہے کہ ابو کی آواز منہ سے تو نکلتی ہے لیکن جواب میں کوئی آواز سنائی نہیں دیتی، وہ آواز فضا میں کہاں گم ہو گئی ہے، وہ آواز جو ہم سب کے لیے ایک ہمت تھی، حوصلہ تھی، وہ بھی وہاں چلی گئی جہاں سے پھر کوئی واپس نہیں آتا۔ پیارے ابو ہم سے اتنی دور چلے گئے، ایسی منزل پر پہونچ گئے کہ جہاں جانے والا راہی پھر کبھی لوٹ کر نہیں آتا۔

والد گرامی کا طلباء عزیز کے ساتھ رویہ

والد گرامی کا رویہ عام طلبہ کے ساتھ بھی کچھ مختلف نہ تھا، وہ ان پر بھی وہاں سخت ہوتے جہاں خود اپنی اولاد پر سخت ہوتے اور وہاں ان سے بھی نرمی کا برتاؤ کرتے جہاں خود اپنی اولاد سے نرمی اختیار کرتے، دونوں میں کوئی تفریق نہ کرتے، طلبہ کو اپنی روحانی اولاد قرار دیتے، چنانچہ والد محترم کے اخیر ایام میں ایک طالب علم نے ان سے کہا ماشاء اللہ! آپ کے بچے آپ کی خدمت میں ہمہ تن

مصروف ہیں، والد گرامی نے ان سے کہا: ”تم نہیں ہو کیا؟ تم بھی میری اولاد ہو، یہ مادی اولاد ہیں تو تم روحانی اولاد ہو، اور واللہ میں نے کبھی بھی تفریق نہیں کی، میں نے ہر طالب علم کو اپنی اولاد جان کر پڑھایا، کبھی ان پر بے جا سختی کا مظاہرہ نہیں کیا، اور نہ ہی کبھی ان سے کوئی امید باندھی، اللہ کے بندوں سے کیا امید باندھنا؛ تمہاری دعا ہی میرے لیے کافی ہے اور جب تم کچھ بن جاتے ہو تو مجھے خوشی محسوس ہوتی ہے اور تم سے زیادہ ہوتی ہے“۔

دنیا میں سب سے مقدس رشتہ استاد و شاگرد کے مابین ہوتا ہے، بہترین استاد وہی ہے جس کی زندگی اپنے شاگردوں کے لیے نمونہ کی حیثیت رکھتی ہو، اور بلاشبہ استاد ہی حقیقی جانشین نبوت ہے، لہٰذا جس استاد کی زندگی جتنا نبوی اخلاق و محاسن سے قریب ہوگی اتنا ہی وہ استاد علم کی نشر اشاعت میں کارآمد ہوگا دنیا کے بنائے گئے، فرضی اصول و قوانین اس سلسلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے، استاد کی سادگی، بے نیازی، بے نفسی، نرمی و لطافت، اخلاق مندی، خوش کلامی وغیرہ اس کی صلاحیت کے لیے حجاب یا علم کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتے بلکہ یہی وہ صفات و خصوصیات ہیں جو علم کے تشنہ لبوں کو علم و آگہی کے چشمہ سے قریب بلکہ قریب تر کرتی ہیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا والد گرامی کے ساتھ بھی؛ مسلم ہندو، یہودی، عیسائی، دیوبندی، بریلوی، شیعہ، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، ہندوستانی، امریکی، سعودی، آسٹریلوی، چینی، تھائیلنڈی، ملیشیائی؛ الغرض بلا لحاظ مسلک و مذہب، ذات پات، علاقہ و نسل اور ملک و قوم کے ہزاروں طلبہ نے والد گرامی سے خصوصی کسب فیض کیا اور ان کے اخلاق و جذبہ ایثار سے متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکے، انہوں نے مختلف علوم و فنون میں نہ صرف مہارت پیدا کی بلکہ آج وہ مختلف شعبہائے زندگی میں کارہائے نمایاں انجام دے رہے ہیں، ذات باری تعالیٰ سے مجھے قوی امید ہے کہ وہ انشاء اللہ ضرور میرے والد گرامی کے لیے صدقہ جاریہ اور رفع درجات کا سبب بنیں گے، بلاشبہ والد گرامی کی وفات صرف ان کی اولاد ہی نہیں؛ بلکہ ان کے تمام متعلقین اور دار العلوم ندوۃ العلماء کے وابستگان کے لیے بھی ایک جانکاہ حادثہ سے کم نہیں؛ یقیناً انکی آنکھیں ہی نہیں بلکہ دل بھی رو رہے ہوں گے اور مدتوں روتے رہیں گے۔

اللہ رب العزت ان کی بخشش فرمائے اور کروٹ کروٹ سکون عطا کرے، آمین۔

☆☆☆☆☆

.....بقیہ صفحہ ۲۳ / کا

رہن سہن رشتہ داروں پڑوسیوں غیر مسلموں اور دیگر انسانوں کے ساتھ برتاؤ کے حقوق سکھائے، لوگوں کو دین کی دعوت پیش کرنے اور مسلمانوں کو دین پر عمل کرنے کی ترغیب دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کا منشا یہی ہے کہ ساری دنیا میں اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے، لوگ شیطان کے طریقے پر چلنے کے بجائے رحمٰن کے حکم کے تابع رہیں۔

آج مسلمانوں کا یہ عالم ہے کہ امت کا بیشتر طبقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی اور سیرت کے روشن پہلوؤں سے واقف نہیں، لوگوں کو دنیا والوں کے حالات اور اچھے برے کی خبر ہے لیکن نہیں معلوم تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات، یہ نہیں معلوم کے آقا نے زندگی میں کبھی دو وقت کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی اور ہر لمحہ امت مسلمہ کی فکر کرتے رہے کہ کیسے یہ امت کامیاب ہو جائے اور اس امت کا بیڑا پار ہو جائے۔

معراج کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازوں میں تخفیف کرائی اور اس بات کو یقینی بنایا کہ امت پانچ نمازیں پڑھے گی تو اسے پچاس نمازوں کو ثواب ملے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی سعادت نصیب ہوئی، اللہ سے ہم کلامی کا شرف ملا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو یہ انعام ملا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی نماز پڑھتا ہے تو وہ ایسا ہے جیسے اللہ کے دربار میں کھڑا ہے اور اللہ سے بات کر رہا ہے، یہ نماز کے حوالے سے امت محمدیہ کو ملنے والا ایسا انعام ہے جو دیگر امتوں کو نہیں ملا، چنانچہ اب ہمیں اس بات کی ضرورت ہے کہ ربیع الاول کے مبارک ماہ میں اور سیرت کے جلسوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے تمام گوشوں کو منظر عام پر لایا جائے اور امت کو اس بات پر راغب کرایا جائے کہ امت نبیؐ کی نام لیوا بھی ہو اور نبیؐ کی سنتوں پر عمل پیرا بھی، اللہ کی مدد کے وعدے زبانی دعووں سے نہیں بلکہ عمل سے ہیں، جنگ بدر میں ۳۱۳ نہتے صحابہ کرامؓ کو اللہ کی مدد ایمان اور عمل صالح کی بدولت ملی تھی، آج مسلمان سمجھتے ہیں کہ انہیں بغیر عمل کے صرف عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زبانی دعووں سے اللہ کی مدد ملے گی، یہ اللہ کی عادت نہیں ہے، اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ایمان اور عمل صالح کے ذریعے اللہ کی مدد کے طلب گار ہوں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنتوں سے اپنی زندگی کو آراستہ کریں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مقصود کونین اور مطلوب دارین ہیں، ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور صورت کو اپنانا ہوگا اسی میں دارین کی کامیابی ہے۔

☆☆☆☆☆

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال :آج کل نوجوانوں میں بغیر ٹوپی کے نماز پڑھنے کا رجحان بڑھتا جارہا ہے، سوال یہ ہے کہ بغیر ٹوپی کے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب :رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول سر ڈھک کر نماز پڑھنے کا تھا، علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ''مواب'' نامی عمامہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ٹوپی کے اوپر پہنتے اور کبھی صرف ٹوپی پہنتے، عمامہ نہیں۔

[زادالمعاد: ج۱/ص ۱۳۵]

اس لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ ٹوپی یا عمامہ موجود ہو اس کے باوجود صرف سستی اور کاہلی کی وجہ سے بغیر ٹوپی وعمامہ کے نماز پڑھی جائے تو یہ مکروہ ہے۔

[فتاوی ہندیہ: ج۱/ص ۱۰۶]

مشہور عالم دین مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ لکھتے ہیں: صحیح مسنون طریقہ نماز کا وہی ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بالدوام ثابت ہوا ہے یعنی بدن پر کپڑے اور سر ڈھکا ہوا ہو، پگڑی سے یا ٹوپی سے۔

[فتاوی ثنائیہ: ج۱/ص ۵۲۵]

البتہ اگر ٹوپی یا عمامہ ہی کسی کے پاس نہ ہو تو اسکی وجہ سے نماز نہ چھوڑے بلکہ بغیر ٹوپی کے نماز ادا کرلے، اس سے بھی نماز ہوجائے گی؛ لیکن اس کو معمول بنانا کراہت سے خالی نہیں۔

سوال :مساجد میں ایسا دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگ اِن شرٹ کر کے بھی نماز پڑھتے ہیں کیا اس طرح نماز ادا کرنا درست ہے؟

جواب :اِن شرٹ کرنے کی وجہ سے کمر کے نیچے کے حصہ میں اعضاء کی ساخت نمایاں ہوجاتی ہے اور ایک گونہ بے پردگی ہوتی ہے حالانکہ نماز کی حالت میں ستر اور پردہ کا خاص طور پر حکم ہے، اس لیے حالت نماز میں اس طرح کی بے ستری نامناسب ہے جس سے گریز کرنا چاہیے البتہ نماز ادا ہوجائے گی۔

[الدر المختار علی رد المحتار: ج۱/ص ۹۱]

سوال: پینٹ یا پائجامہ ٹخنے سے نیچے لٹکتا ہو تو نماز درست ہوگی یا نہیں؟

جواب: ٹخنے سے نیچے لٹکتا ہوا کپڑا پہننا عام حالات میں بھی ممنوع ہے، حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تین شخص وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے بات نہیں کریں گے اور نہ اس کی طرف نگاہ رحمت فرمائیں گے اور نہ ہی ان کو گناہوں سے پاک کریں گے اور ان کے لیے سخت عذاب ہوگا، ان تینوں میں پہلا شخص وہ ہوگا جو اپنے کپڑے ٹخنوں سے نیچے لٹکا رکھے۔

[سنن ابوداود، حدیث/ ۴۰۸۸]

اس طرح کی حدیثوں کو سامنے رکھتے ہوئے فقہاء نے لکھا ہے کہ پائجامہ (یا پینٹ وغیرہ) ٹخنوں سے نیچے رکھنا ممنوع ومکروہ تحریمی ہے اور نماز کی حالت (جو ایک اہم عبادت ہے) میں ایسا کرنا مزید کراہت اور گناہ ہے البتہ نماز ہوجائے گی۔

سوال: ہاف شرٹ میں نماز ادا کرنا کیسا ہے، اسی طرح اگر فل شرٹ ہو، لیکن آستین نماز کی حالت میں کہنیوں سے اوپر اٹھالینا کیسا ہے؟

جواب: آستین کو کہنیوں تک اٹھا کر نماز پڑھنا مکروہ اور خلاف ادب ہے، فقہاء نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے: "ولو صلی رافعاً کفیه الی المرفقين كره" اور وہ لوگ جو ہاف شرٹ پہننے کے عادی ہیں اور ہر جگہ ان کا وہی لباس ہے تو ان کے لیے ہاف شرٹ استعمال کرنے کی حالت میں بھی نماز ادا کرنے کی گنجائش ہے۔

[فتاوی ہندیہ: ج۱/ص ۱۰۶]

سوال :بعض لوگوں کے لیے اپنے اسکول یا آفس میں ٹائی لگانا ضروری ہوتا ہے اور ڈیوٹی کے دوران نماز کا وقت آجاتا ہے کیا ایسے لوگ ٹائی پہنے ہوئے نماز پڑھ سکتے ہیں؟

جواب: موجودہ دور میں ٹائی کا استعمال عمومی طور پر ہونے لگا ہے اور بظاہر کسی عقیدہ اور دینی نظریہ کی بنا پر لوگ استعمال نہیں کرتے ہیں اس لیے اگر نماز کی حالت میں ٹائی لگی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، نماز ادا ہوجائے گی۔

سوال: سینٹ لگے کپڑوں میں نماز درست ہوگی یا نہیں؟ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ الکحل ہے جو نجس ہے، اس لیے نماز نہیں ہوتی ہے، صحیح کیا ہے؟

جواب: سینٹ کے بارے میں ماہرین کیمیاء کی رائے یہ ہے کہ اس میں جو الکحل استعمال ہوتا ہے، وہ نشہ آور نہیں ہوتا ہے اور یہ اس سے مختلف ہوتا ہے جو شراب اور دواؤں میں استعمال کیا جاتا ہے، اس لیے یہ ناپاک نہیں ہے، لہٰذا ناپاک نہ ہونے کی وجہ سے کپڑا بھی ناپاک نہیں ہوگا اور اس کے لگے ہونے سے نماز درست ہوگی۔

☆☆☆☆☆

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

ندوۃ العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

باسمہٖ تعالیٰ

Date 25th October 2022

تاریخ ۲۵/ اکتوبر ۲۰۲۲ء

اپیل برائے تعمیر اسٹاف کوارٹرس

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ ناظم ندوۃ العلماء کی سرپرستی میں اپنی علمی ودینی خدمت میں مصروف ہے، دارالعلوم اور اس کی شاخوں میں علمی وتعلیمی امور حسب معمول جاری ہیں، اساتذہ وکارکنان ندوۃ العلماء اپنی ذمہ داریوں کو انجام دے رہے ہیں۔ اساتذہ واسٹاف کی کثرت کی وجہ سے دارالعلوم میں ان کی رہائش کی مزید گنجائش نہیں رہی تو احاطۂ دارالعلوم کے علاوہ معہد دارالعلوم ندوۃ العلماء (سکروری) میں اسٹاف کوارٹرس اور معہد سے قریب مستقل طور پر ندوہ کالونی کی سہ منزلہ عمارت تعمیر ہوئی، مگر اب بھی اسٹاف کے لیے کوارٹرس کی کمی شدت سے محسوس کی جارہی تھی، اس صورتِ حال کے پیش نظر پہلے ندوہ کیمپس سے متصل محلہ مکارم نگر میں اسٹاف کوارٹرس تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا گیا جو الحمد للہ اہل خیر کے تعاون سے مکمل ہوگیا۔ اب کیمپس کے اندر ہی مزید کوارٹرس کی تعمیر اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسہ پر شروع کرادی گئی ہے، زیر تعمیر یہ عمارت تین منزلہ ہوگی، جس میں ۹ رفیملی کوارٹرس ہوں گے، اس کی تعمیر پر مبلغ -/1,15,00,000 (ایک کروڑ، پندرہ لاکھ روپئے) کے خرچ کا تخمینہ ہے جو ان شاء اللہ اہل خیر حضرات کے تعاون سے پورا ہوگا۔

ہم امید کرتے ہیں کہ آپ اس اہم ضرورت کی طرف فوری توجہ فرمائیں گے اور ندوۃ العلماء کے کارکنوں کا ہاتھ بٹائیں گے۔

ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا بھروسہ ہے کہ اس کی مدد سے یہ اہم کام تکمیل کو پہنچے گا، وما ذلك على الله بعزيز.

(مولانا ڈاکٹر) تقی الدین ندوی	(ڈاکٹر) محمد اسلم صدیقی	(مولانا ڈاکٹر) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) سید بلال عبدالحیٔ حسنی ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء	مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء	ناظر عام ندوۃ العلماء

نوٹ: چیک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں:

NADWATUL ULAMA
اور اس پتہ پر ارسال کریں
NIZAMAT NADWATUL ULAMA
Nizamat Office, Nadwatul Ulama,
Tagore Marg, Lukcnow - 226007 (U.P.)
معطیان کرام! براہ کرم اپنے عطیات ارسال کرنے کے بعد مندرجہ ذیل نمبر
+91 - 8736833376
پر مطلع فرمانے زحمت کریں، اس سے دفتری کاروائی میں سہولت ہوگی۔
فجزاکم اللہ خیر الجزاء

NADWATUL ULAMA
STATE BANK OF INDIA MAIN BRANCH, LUCKNOW
(IFSC CODE : SBIN0000125)
تعمیرات
A/c. No. 1086 3759 733
ONLINE DONATION LINK
https://www.nadwa.in/donation/

نوٹ: ندوۃ العلماء لکھنؤ کو دیا گیا تعاون سیکشن 80G انکم ٹیکس ایکٹ ۱۹۶۱ء کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہوگا

website : www.nadwa.in
Email : nizamat@nadwa.in